

الحسینؑ والبراء

TaabeerMurtaza.ml

القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اے اینڈ کے چیمبر، سیکنڈ فلور،
سویٹ نمبر ۱۱، ۱۴-ویسٹ وہارف روڈ، کراچی نمبر ۲۔

یہ کتاب سکین کے لئے چوہدری محمد خان صاحب

(آف رامان) نے عطا فرمائی تھی

امام زمانہ عج انکی توفیقات خیر میں مزید اضافہ
فرمائیں ..

آمین



پیش لفظ

اس رسالہ کا مقصد مناظرہ نہیں بلکہ بواسطہ امام حسین پہلے اپنی قوم کی اور بعدہ تمام مسلمانوں کی اصلاح مقصود ہے۔ لہذا پہلے اپنے فرقہ کی غلط فہمیوں کو دکھلانا اور اپنے عیوب پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ ہر شخص کے عیوب کی تھیلی اسکی پشت پر ہی پڑی رہتی ہے۔ دوسروں کے عیوب نظر آتے ہیں مگر اپنے نظر نہیں آتے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

یہ دل کجست دل لپکا ہے جس کو عیب جوئی کا
کبھی حالت پہ اپنی نکتہ چین دیکھا؟ نہیں دیکھا

پھر اگر کوئی دکھلانے والا ہمیں ہمارے عیوب دکھلاتا ہے تو طبیعت کو سخت ناگوار ہوتا ہے اور ہماری آنا نہ تو اپنے عیوب پر نظر ڈالنے کی اجازت دیتی ہے نہ ہی دل ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ہماری اسی کیفیت نفس کا ذکر قرآن نے یوں کیا ہے۔ ختم الله علی قلوبہم و علی سمعہم و علی ابصارہم غشاوۃ (خدا نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہ لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے)۔

ہمارے فرقہ شیعہ کا بھی اس وقت یہی حال ہے کہ فرقہ کا ہر فرد حدیث ستفترق امتی علی ثلاثہ و سبعون فرقہ کلاہم فی النار الا واحدا (عنقریب میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے سب ناری اور ایک ناجی) کی رو سے اپنے تئیں نجات یافتہ ہونے کا یقین کیے ہوئے ہے۔

اس لیے کہ بیشمار احادیث میں شیعان علیؑ اور محبان اہلبیت کو ہی ناجی کہا گیا ہے جو بالکل درست ہے۔ یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔ شیعہ علیؑ اور محب آل رسولؐ ناجی ہے۔ مگر جو علامتیں خود اہل بیت علیہم السلام نے اپنے شیعوں کی بتلائی ہیں ان کو سننا، دیکھنا اور سمجھنا کبھی گوارا نہیں کرتے۔ شیعان علیؑ ناجی ہونا تو یقینی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہم شیعہ علیؑ ہیں یا نہیں خود جناب امیر المؤمنینؑ نے علامات اپنے شیعوں کی بتلائی ہیں ان کو اپنے نفس پر پیش کرنا اور اس کے بعد غور کرنا کبھی گوارا نہیں کرتے۔ اُن علامات میں سے چند یہ ہیں کہ ان کے سر پر خاک ہوگی پیٹ پشت سے ملے ہونگے۔ آنکھوں میں آنسو ہونگے۔ وغیرہ وغیرہ اگر غور کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ واقعی محبت کی یہی علامتیں ہیں۔ مگر ہمارا نفس ان پر غور کرنا کب گوارا کرتا ہے۔ اس لیے کہ ہم شیعہ ہیں۔

دیکھئے! اگر ایک شخص کو کسی دور دراز مقام سے اطلاع ملے کہ اسکا کوئی عزیز جائیداد کثیر چھوڑ کر فوت ہو گیا اور وہی اس کا واحد وارث ہو تو اس شخص کو وہاں پہنچنے اور اس جائیداد پر قبضہ کرنے کا کیسا اضطراب ہوگا۔ کاروبار دنیا میں اوروں کی طرح مصروف تو یہ بھی رہے گا مگر دل میں وہاں پہنچنے کی خواہش چھٹکیاں لیتی رہے گی یہی مضمون قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں ملتا ہے

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمْ دَارُ الْآخِرَةِ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَاتَمْنُوا مَوْتَہِ ان كُنْتُمْ صَادِقِينَ (کہہ دے کہ اگر آخرت کا گھر یعنی جنت اللہ کے پاس صرف تمہارے ہی لیے ہے اور لوگوں کے علاوہ تو پھر موت لی تمہارا وارث تمہارے ہی ہو)

The background is a textured, parchment-like surface. On the left, there is a stack of old books with a small, dark, rectangular object (possibly a book cover or a piece of paper) resting on top. Above the books, a human skull is visible. In the upper right, there is a faint, stylized illustration of an owl. The text 'TaabeerMurtaza.ml' is prominently displayed in the upper center in a large, white, bold font with a red outline and a drop shadow.

TaabeerMurtaza.ml

Best Search Engine For
Online Books

تو غور کریں قرآن کیا کہتا ہے۔ یہی ناکہ اگر تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ صرف تم ہی ناجی ہو تمہارے سوا اور کوئی گروہ ناجی نہیں اور جنت تمہارے ہی لیے ہے تو تم کو وہاں پہنچنے اور اس پر قبضہ کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور کچھ اضطراب ہوتا ہے یا نہیں؟ اور وہاں پہنچنے کا تو صرف ایک ہی دروازہ ہے جس کا نام موت ہے۔ اس دروازے کی تم کو آرزو ہوتی ہے کہ نہیں؟ تمہارا نفس اس دروازے پر پہنچنے کی خواہش کرتا ہے یا اس سے دور رہنے کی؟ آپ خود اپنے نفوس کا محاسبہ کر لیں اور خدا اور رسول کو جو مناسب سمجھیں جواب دیں۔

الغرض قرآن تو فرقہ ناجی کی علامت تمنائے موت بتلائے ہم بغیر اس علامت کے ہی ناجی ہونے کا یقین کٹھن ہیں اور کبھی نہ غور کریں کہ یہ علامت ہم میں کیسے پیدا ہو کبھی نہ سوچیں کہ خود علی نے جو علامتیں اپنے شیعوں کی بتلائی ہیں وہ ہمارے نفوس میں کیسے پیدا ہوں بچا ہئے تو یہ تھا کمان نشانیوں کے پیدا کرنے کے طریقے نہیں اور سمجھیں اور پھر ان پر عمل کریں تاکہ ہمارے نفوس میں خدا اور رسول اور اسل رسول کی بتلائی ہوئی نشانیاں پیدا ہو جائیں کہیں ایسا نہ ہو محمد وآل محمد صم کو بروزی کیا اپنے سامنے سے دور کر دیں اور ہمارا دعویٰ محبت دوسرے کا دھرا رہ جائے۔

ان مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے ابتدا میں تو یہ دکھلایا ہے کہ سن بکا علی الصہب کا مصداق کون ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کہ عزائے حسین سے جنت کس طرح واجب ہو جاتی ہے بعد ازاں امر کا ثبوت قرآن سے پیش کیا ہے کہ عزائے حسین اسلام کا فرض اولین ہے جس کا تارک مواخذہ میں گرفتار ہوگا۔ آخر میں وہ طریقے دکھلائے ہیں جن سے تمام علامات فرقہ ناجی کی نفس میں پیدا ہو جائیں۔

آخر میں حضرات ناظرین سے التماس ہے کہ بندہ عاصی عالم تو ہے نہیں اور
سرفہرین روزیں رسالہ تمام کیا ہے اس لئے افلاطون لفظی کا اسکان ہے۔ حضرات
ناظرین اس کو بہ نظر اصلاح ملاحظہ فرمائیں اور افلاطون کی درستی فرمائیں۔

اعقر الدین
شفاء احمد نقوی

الحسین و البکاء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عزادار حسین - ارے یہاں، بھائی عارف چلتے نہیں؟

محمد عارف - بھائی کہاں؟

عزادار - یہاں مجلس میں!

عارف - کہاں کی مجلس؟

عزادار - یہاں وہیں فن صاحب کے یہاں۔ آپ تو ایسی باتیں کرتے ہیں جیسے آپ جانتے ہی نہیں

عارف - بھائی میں ان کے یہاں کی مجلس میں نہیں جایا کرتا۔ میں اس مجلس میں جانا اچھا نہیں سمجھتا۔

عزادار - واہ جناب اس سے بہتر تو شہر میں کوئی مجلس ہوتی ہی نہیں۔ ندیگر ذاکرین کو تو جانے دیجئے، ایک مٹے خاں بیرانی، ہی کی سوز خوانی سننے کے لئے بڑی بڑی دور سے لوگ آتے ہیں۔ آواز بھی کیسی دردناک ہے بالکل دل کے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اس قدر گریہ ہوتا ہے کہ لوگ دو دو گھنٹہ مجلس کے بعد بھی روتے رہتے ہیں۔

عارف - بھائی میں تو اس مٹے کو بالکل بیکار و قطعاً فعل عبث سمجھتا ہوں۔

عزادار - واہ جناب تو آپ حدیث کے منکر ہیں حدیث کا منکر تو کافر ہے۔

عارف - کون سی حدیث جناب اذرا مجھے بھی تو سنائیے۔

عزادار۔ آپ بھی عجیب حضرت ہیں، خوب تجاہل عارفانہ کرتے ہیں۔ روزانہ تو مجلس میں بیان ہوتی ہے۔
 عارف۔ آپ کو اس سے کیا مطلب؟ میں نے سنی ہے یا نہیں، آپ حدیث بیان کیجئے۔
 عزادار۔ اسے بھائی وہی مشہور و معروف حدیث من بکاء علی المسکین
 ادا کی و تباکی و حبت لہا الجنۃ (جو روئے یار لائے حسین پر یاروں نے والوں
 کی صورت ہی بنائے اس پر حبت واجب ہے) یہ حدیث عام طور پر مجلسوں میں بیان
 کی جاتی ہے۔ آپ نے بھی میگزینوں مرتبہ سنی ہو گئی، مگر نہیں معلوم آج آپ کو ہو کیا گیا ہے
 کہ یہی باتیں کرتے ہیں۔

عارف۔ ہاں بھائی میں تو بالکل ہی بہک گیا ہوں۔ سیدھی طرح کیوں
 نہیں کہہ دیتے کہ گمراہ ہو گئے ہو۔ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کون کون ہے
 میں اس حدیث سے انکار نہیں کرتا بلکہ یہ تو میرا ایمان ہے۔ میں تو قرآن سے یہ ثابت کرنے
 کو تیار ہوں کہ حسین پر رونے سے نہ صرف جنت واجب ہو جاتی ہے۔ بلکہ اگر مجھے آپ
 کے قلب میں اتنی قوت نظر آئی اور میں نے دیکھ لیا کہ آپ اپنے اور اپنے فرقہ کے عیوب بھی
 ٹھنڈے دل سے سن سکتے ہیں تو میں آیات قرآنی سے یہ بھی ثابت کر دوں گا کہ حسین پر
 رونا دلانا۔ ماتی جلوس نکالنا از روئے احکام قرآنی واجب ہے جس کا بجز دلانے والا
 مجرم ہے۔ مجھے تو اس مفہوم سے اختلاف ہے جو آپ اس سے سمجھے ہوئے ہیں۔ آپ یہ
 بتائیے کہ حدیث میں تو صرف اتنا ہی ہے کہ جو روئے حسین پر اس پر جنت واجب!
 اس جو روئے سے آپ کیا مفہوم مراد لیتے ہیں؟

عزادار۔ بھائی میرا تو ایمان ہے کہ مصوم کا قول خدا کا قول ہے اس کی تکذیب
 کرنا کفر ہے۔ جب مصوم کا قول ہے کہ جو روئے اس پر جنت واجب ہے تو پھر جو
 بھی روئے کا اس پر جنت واجب ہو جائیگی۔

عارف - اچھا جناب! اگر ایسا ہی ہے تو بتائیے کہ جب میدان کرنا میں امام
مظلوم نے مجھے مجاہد جناب علی اصغر کی حالت لشکرِ یزید کو دکھلائی اور اس معصوم نے اپنی نفی
سی سونگھی زبان نکال کر جہاد شروع کیا تو سب کے قلوب کو مجروح کر دیا۔ تمام لشکریں ہر
شخص سُنہ پھیر کر رونے لگا۔ کیا یہ تمام رونے والے من بکار علی الحسین میں داخل
اور مستحقِ جنت ہیں؟

عزادار - نہیں جی، بھلا وہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ توبہ توبہ وہ تو قاتل تھے۔

عارف - اچھا صاحب! جب اہلِ حرم کا داخلہ بازار کو فہ میں ہوا اور جناب
زینب خاتون نے لوگوں کو خطاب کر کے سنایا کہ تم ہمارے نانا کا کلمہ پڑھتے ہو۔ تم کیسے
مسلمان ہو کہ نانا کا کلمہ پڑھ کر نوایسوں کو ذلیل و تشہیر کر رہے ہو اور بہت دیر تک وہ
معلمہ خطبہ دیتی رہیں تو بازار کو فہ میں ایک کھرام برپا ہو گیا۔ تمام زن و مرد زار زار رو
رہے تھے۔ کیا یہ سب رونے والے من بکار علی الحسین میں داخل ہو گئے اور نجات کے
مستحق ٹھہرے۔ یہ تو نہ قاتل تھے نہ لشکرِ یزید میں شامل؟

عزادار - نہیں جناب! کیسے سنت کے مستحق ہو سکتے ہیں اس لئے کہ وہ قاتلوں
کے کام سے راضی ہوئے۔ اور قتلِ حسین کو برا نہ سمجھتے تھے اس لئے مثل قاتلوں کے تھے،
عارف - جب اہلبیت کا داخلہ دربار کو فہ میں ہوا تو اہل دربار میں سے بعض
رونے لگے۔ کیا یہ غیبی ہو گئے؟

عزادار - نہیں ہرگز نہیں،

عارف - اچھا جب آلِ رسول کو قید میں عرصہ ہو گیا تو امام زین العابدینؑ
دربارِ یزید میں اکثر بلائے جاتے۔ ایک روز لوگوں نے اصرار کر کے آنحضرتؐ کا کلام سنانا
چاہا۔ حضورؐ نے مہر پر جا کر اپنے فضائل بیان کرنے شروع کئے۔ فرمایا جو مجھے پہچانتا ہے وہ
تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا تو میں اس کو پہچناتا ہوں میں کہ وہ منی کا فرزند ہو

میں عرش پر جانے والے کافر زندہ ہوں۔ بیان تک فرمایا میں اس کا بیٹا ہوں جو پس گرد
سے ذبح کیا گیا۔ میں اس کافر زندہ ہوں جس کا لباس تک ٹوٹ لیا گیا۔ اس پر تمام دربار
میں کہہ رہا ہو گیا کیا یہ سب رونے والے من بکا، علی الحسین میں داخل ہو گئے اور
جنت ان پر واجب ہو گئی؟

عزادار۔ بھائی تم تو عجیب باتیں کرتے ہو۔ بھلا یزید کے درباری جنت
کیسے مستحق ہو سکتے ہیں؟

عارف۔ بھائی تم نے خود ہی تو حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جو بھی روئے
اس پر جنت واجب، اور تمہارا یہ ایمان تھا اب کیوں بے ایمان ہوئے جا رہے ہو حدیث
کے لفظ تو اتنے ہی ہیں کہ جو بھی روئے اب تم خود ہی حدیث کا انکار کر کے کافر بن رہے ہو۔
عزادار۔ بھائی آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ میاں بھلا قاتل اور قاتلوں کے
ساتھی کیسے اس کے مصداق ہو سکتے ہیں؟

عارف۔ اچھا بھائی نہ سہی! یہ تباؤ کہ جب اہل حرم کی رہائی کا حکم ہوا اور قید خانہ
سے باہر گئے تو اہل شام دروازہ زندان پر جمع تھے اور بہت سے زار زار رو رہے تھے،
یہ تو یزید کے ساتھی نہ تھے۔ ان پر تو جنت واجب ہو ہی گئی۔

عزادار۔ ساتھی نہ تھے تو یزید کے کام سے ناراض بھی تو نہ تھے لہذا ساتھیوں میں شمار ہے۔
عارف۔ اچھا جب بعد رہائی اہل حرم نے ایک مکان و شق میں مجلس حسین برپا
کرنے کو خالی کرایا اور اس میں نوحہ و ماتم برپا کیا تو اہل شام کی بہت سی عورتیں اس میں شریک
ہوئیں۔ خوب گریہ و زاری نوحہ و ماتم کیا۔ یہ تو سب داخل من بکا ہو ہی گئیں؟

عزادار۔ نہیں جی یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو محض دیکھنے سے ہمدردی پیدا ہو
تھی۔ اور یزید کا حکم تھا کہ ان کے ساتھ کچھ اظہار ہمدردی کر کے ظاہر اشک شونی کی جائے
ورنہ انہیں حسین پر رونے سے کیا تعلق؟

عارف۔ اچھا بھائی نہ سہی، اب یہ تبادو کہ جب اللہ عزوجل کا داخلہ مدینہ میں ہوا تو اہل مدینہ پر سے کوکے اور سب زار زار روتے تھے۔ کیا یہ سب حضرات من گہنی میں داخل اور مستحق جنت ہو گئے؟

عزادار۔ بھائی صاحب! یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے فرزند رسول کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس وجہ سے باعث قتل حسین ہیں۔ ان میں سے جو عذر شرعی رکھتے تھے اور محبانِ طہیت تھے وہ ضرور اس کے مصداق ہیں اور حنبت کے حقدار ہوئے۔

عارف۔ اچھا تو آپ کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو حسین سے محبت رکھتا ہو اور مصائبِ حسین پر روتے وہ اس کا مصداق ہوگا۔

عزادار۔ ہاں ہے تو ایسا ہی جو روئے "میں صرف محبت رکھنے والا ہی قتل ہو سکتا" عارف۔ اگر آپ کا یہ خیال درست ہے تو بتائیے کہ بت پرست، مشرک اور ہندو صاحبانِ مجالس میں شریک ہو کر مصائبِ حسین پر روتے ہیں تو کیا من بکاء میں شامل ہو جاتے ہیں؟

عزادار۔ حضرت میں تو کہہ چکا کہ جب تک حسین سے محبت نہ ہو ہرگز حنبت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

عارف۔ اچھا بہت سے اہل ہنود جو مورتی پوجا کرتے ہیں مگر حسین سے محبت رکھتے ہیں اور عشرہٴ محرم میں مجالسِ عزاء پکارتے ہیں۔ روتے ہیں رلاتے ہیں۔ تعزیراری پر قومِ کثیر صرف کرتے ہیں وہ تو سب ضلّی ہیں؟

عزادار۔ بھائی! میں کوئی فتویٰ تو دے نہیں سکتا۔ ہاں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ حسین سے محبت رکھنے والا حسین کے ماں باپ بھائی اور اولاد سے ضرور محبت رکھے گا۔ اور جب پنجتنِ پاک سے محبت ہوگی تو ان کو مانے گا بھی ضرور اور جب ان کو مانے گا تو مسلمان ہو جائیگا ورنہ جو شخص خدا و رسول اور پنجتنِ پاک سے محبت نہ رکھتا ہو اور ان کو نہ مانتا ہو۔ فقط

حسین سے محبت رکھنے اور مجلس ماتم برپا کر لینے سے حسین کا سچا محب کیسے ہو سکتا ہے؟
 عارف - سبحان اللہ آپ نے ہندو عزاداروں کو تو اپنے زعم میں فیض حسینی سے
 محروم سمجھ لیا۔ اب جو حنفی صاحبان آپ لوگوں کی طرح ہی عزاداری کرتے ہیں۔ پختن پاک سے
 محبت رکھتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟
 عزادار - سدا ان کے تالوں کے جب تک بیزار نہوں اور ان کو برا نہ سمجھیں حسین کے دوست
 نہیں ہو سکتے۔

عارف مگر جو حنفی حضرات عزاداری کرتے ہیں وہ زیادہ تمام لشکرِ یزید کو دل سے برا سمجھتے ہیں
 عزادار - ہاں یہ تو صحیح ہے مگر وہ پختن پاک کے دشمنوں سے بھی محبت رکھتے
 ہیں جو ان کے دشمنوں کو دوست رکھے وہ ان کا سچا محب کیسے ہو سکتا ہے۔

عارف - آپ تو فیض حسینی کے ٹھیکیدار بن گئے کہ حنفی عزاداروں کو بھی
 برکات حسینی سے محروم سمجھ لیا۔ اب یہ فرمائیے کہ اسمعیلی شیعہ جو آپ کی طرح ہی عزاداری
 کرتے ہیں۔ وہ تو سخنِ جنت ہونے ہی چاہئیں؟

عزادار - بھائی صاحب یہ چودہ معصوم سبکے سب ایک ہیں ان میں سے
 کسی ایک کا انکار کیا تو سب کا انکار کیا وہ لوگ جب چھ معصوموں کا انکار کرتے ہیں
 تو حسین کے سچے محب کیسے ہو سکتے ہیں؟

عارف - اچھا تو اب آپ کا عقیدہ اس حدیث کے متعلق کیا ہے؟ یہاں عقیدہ
 تو باطل اور ناسد ثابت ہو گیا۔ اس حدیث کا غلط مفہوم ہی ہے جس نے فرقہ شیعہ کو
 بالکل غافل کر دیا اور اسی طرح سے اور بہت سی احادیث کا مفہوم صحیح نہ سمجھنے کی وجہ سے
 تمام قوم غفلت میں پڑ گئی اب بتائیے اس حدیث کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

عزادار - بھائی اتنی دیر کی بات چیت سے میں تو اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں
 کہ من بکائی کے مصداق میں صرف وہ شخص داخل ہو سکتا ہے جو بارہ شرائط پوری کرے۔

- ۱۔ خدا کے وجود کا قائل ہو۔ اس پر ایمان رکھتا ہو اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو!
- ۲۔ خدا کے تمام انبیاء و رسل پر ان کے اوصیاء اور ملائکہ پر ایمان رکھتا ہو۔
- ۳۔ حضور سرور دو عالم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیاء افضل صاحب شریعت، رسول اور آخر الزمان بنی سمجھتا ہو۔
- ۴۔ حضور کے بعد بارہ اماموں کو امام واجب الطاعتہ منصوص من شہد اور معصوم سمجھتا ہو۔
- ۵۔ جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کو معصوم اور افضل ترین نسا عالمین مانتا ہو۔
- ۶۔ امام زماں حضور آخر الزماں علیہ صلوٰۃ الرحمن کو زندہ اور شہید علی الخلق مانتا ہو۔
- اور حضور کے ظہور کا اور تمام عالم میں بعد ظہور اسلام پھیلا دینے اور اسلامی حکومت قائم کر دینے کا قائل ہو۔
- ۷۔ قرآن شریف کو منزل من اللہ۔ خدا کی آخری کتاب مانتا ہو۔ دیگر کتب سابقہ اور صحف انبیاء کی تصدیق کرتا ہو۔
- ۸۔ شہدائے کربلا اور دیگر عاشقان الہیبت سے محبت رکھتا ہو۔
- ۹۔ ائمہ علیہم السلام اور مومنین کاملین کی رحبت کا قائل ہو۔
- ۱۰۔ تمام احکام اور آیات قرآنی کی تصدیق کرتا ہو اور ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار نہ کرتا ہو۔
- ۱۱۔ حضرات چار دہ معصومین علیہم السلام میں سے ہر ایک کے حکم کو خدا کا حکم سمجھتا ہو اور ان کی کسی حدیث کا انکار نہ کرتا ہو۔
- ۱۲۔ خدا و رسول اور آل رسول کے دشمنوں اور مخالفت کرنے والوں سے بیزار ہو اور بالخصوص امام حسین علیہ السلام اور ان کے عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں کے قاتلوں سے پوری پوری نفرت کرتا ہو۔ اور ان پر لعن کر کے کو بھی برا نہ سمجھتا ہو۔
- عارف۔ کہئے حضرت! آپ پہلے کہاں تھے؟ اور اس حدیث کا کیا مفہوم

سمجھے ہوئے تھے اور اب کیا سمجھنے لگے۔ بس اتنی سی دیر میں آپ کا عقیدہ بالکل بدل گیا۔ اب آپ بتائیں کہ اس حدیث کو سن کر جو آپ مرے گدھے کی طرح پھولا کرتے تھے وہ کہاں تک درست تھا؟

عزادار۔ ذیاب جناب ہم تو اس کے مصداق میں ضرور ہی داخل ہیں اس لئے کہ ان تمام شرائط کو پورا کرتے ہیں۔

عارف۔ اچھا جناب سنئے! میں آپ کو یہ بھی دکھلا دیتا ہوں کہ آپ خود ہی اپنی بیان کی ہوئی شرائط کو پورا نہیں کر رہے۔ پہلے صرف اتنا ہی دکھاؤ گا کہ آپ اپنی بارہویں شرط کو کہاں تک پورا کرتے ہیں؟

عزادار۔ ذیاب جناب ہم ان کے قاتلوں سے سخت بیزار ہیں۔ اور ہم کو تو ان سے ایسی نفرت ہے کہ اگر وہ ہمارے سامنے ہوتے تو ان کو مٹانے میں ان کو نقصان پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہ کرتے۔

عارف۔ اچھا بھائی پہلے آپ یہ بتائیں کہ جو شخص قاتلان حسین سے عبت کرے ان کی اطاعت کرے اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

عزادار۔ وہ ملعون ہے، جہنمی ہے۔ کسی طرح اس کی نجات نہیں ہو سکتی۔

عارف۔ اچھا تو آپ یہ فرما دیجئے کہ حسین کے قاتلان حقیقی کون ہیں؟

عزادار۔ ظاہری قاتل تو یزید اور فوج یزید۔ مگر حقیقی قاتل وہ ہیں جو ایسے حالات کے بانی ہوئے جس کے نتیجے میں یہ شہادت ظہور میں آئی۔

عارف۔ کیوں صاحب! آپ نے ان کو حقیقی قاتل کیسے بنا دیا۔

عزادار۔ جناب جو شخص بنارکھنے والا ہو۔ آل رسول پر ظلم کی ابتداء کرنے والا ہو۔ اہلیت کی دشمنی پر لوگوں کو برا بیچنے والا اور اس کا سبب بنی ہوئی تو حقیقی قاتل بن جائے۔

عارف۔ اب یہ تو فرما دیجئے کہ جن کو آپ حقیقی قاتل ٹھہرا رہے ہیں اگر کسی نے

اس کا لبّ باب یہ ہے کہ مال دنیا کی محبت، نام و نمود عزت و شہرت کی محبت بڑا سمجھا جانے کی خواہش، اہل و عیال، مال و اسباب، مکان و جائداد کی محبت اور خوف غیر اللہ ہی حقیقی قاتلانِ حسین ہیں۔ جن کی تفصیل قرآن بھی کرتا ہے۔ (سورہ توبہ)۔
 قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَنْزَلُكُمْ وَاَعْيُنُكُمْ وَاَنْفُسُكُمْ وَاَمْوَالُكُمْ وَاَنْفُسُكُمْ وَاَمْوَالُكُمْ وَاَنْفُسُكُمْ
 اِيْتَكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِمْ وَاَنْفُسُكُمْ وَاَمْوَالُكُمْ وَاَنْفُسُكُمْ وَاَمْوَالُكُمْ وَاَنْفُسُكُمْ
 (ترجمہ)۔ اے حبیب لوگوں سے کہدو کہ اگر تمہارے باپ دادا۔ تمہارے بیٹے
 تمہارے بھائی۔ تمہاری بیویاں اور وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور تجارت جس میں تم
 نقصان سے ڈرتے ہو اور وہ مکان جن میں رہنا تم کو پسند ہے (یہ تمام چیزیں) تم کو اللہ
 اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو

ماہِ منورہ۔ لہ خواہش کے لفظی معنی چاہنا یا چاہ۔ مگر مطلق میں بھوک۔ پیاس۔ آرام کرنے کی چاہ
 زیندہ کبھی چاہنا اور اسی طرح سے آپ ہی آپ بغیر اس کے کہ کوئی ظاہری سبب اس کا ہوا ہو دل میں
 چاہ پیدا ہو جائے اس کو خواہش کہتے ہیں۔ جیسے بھوک آپ ہی آپ لگتی۔ پیاس خود بخود لگتی ہے
 سونے کی خواہش آپ ہی آپ ہوتی ہے۔ اسی ساری خواہشات کو قرآن شہوات کہتا ہے۔

۱۔ جذباتِ جمع ہے جذبہ کی معنی کئی جذبے۔ مطلق میں جذبہ اس کیفیت یا حالت کو کہتے ہیں،
 جو ہمارے نفس یعنی ہماری جان پر غصہ میں۔ محبت کے جوش میں، خوشی میں تکلیف میں اسخ و غم
 میں اور آرام وغیرہ میں طاری ہوتی رہتی ہے۔ یہ ساری کیفیتیں یا حالتیں بغیر کسی ظاہری سبب کے
 پیدا نہیں ہوتیں مثلاً غصہ بغیر کسی سبب کے نہیں آتا۔ نفرت کہ جب تک کوئی گھناونی چیز سامنے
 نہ ہو نفرت کی کیفیت آپ ہی آپ دل میں نہیں پیدا ہو سکتی۔ اسی ساری کیفیتوں یا حالتوں کو
 جو ہمارے نفس یا دل پر طاری ہوتی ہیں جذبات کہتے ہیں۔ ۱۲

یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب نازل کر دے) اس آیت میں خدا کی راہ خدا کی سبیل میں
 کوشش یا جہاد کرنے کا مفہوم آل رسول ہی کے کلام سے معلوم ہو سکتا ہے۔ حضرات
 ائمہ معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ) ہم ہیں۔ لہذا آیت
 کا مطلب یہ نکلا کہ جس کو دنیا کی یہ ساری چیزیں اہلبیت کی محبت تک پہنچنے میں ہاراج
 ہوں وہ مستحق عذاب ہو جاتا ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ جو شخص ان ہی حقیقی قاتلان
 حسین یعنی خواہشات و جذبات سے محبت رکھتا ہو۔ ان کی بے خون و چرا اطاعت
 کرتا ہو وہ اس حدیث کے مغوم میں کیسے داخل ہو سکتا ہے بلکہ خود آپ ہی کے عقیدے
 کے مطابق رحمت خدا سے بھرا اور عذاب الیم کا سر وار ہے۔ اور خود آپ ہی کا اس پر
 ایمان ہے۔ میں ایسے فاسد عقیدہ کو دل میں جگہ نہیں دیتا۔

عزادار۔ اُن! معاذ اللہ، بھائی تم نے تو کہیں کا نہ رکھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن
 ہے کہ آدمی ان چیزوں سے بچ سکے۔ بس صاحب رہنے دیجئے۔ مجھے اپنے خیالات خراب
 نہیں کرنے چاہئیں۔ ہمارے لئے تو اہلبیت کی محبت اور حسینؑ پر ولینا کافی ہے۔
 عارف۔ دیجئے جناب محبت اہلبیت ایمان کی علامت ہے جس کو محبت اہلبیت

مال ہو گئی ایمان مل گیا۔ یہی سبب ہے کہ شیعہ حضرات اپنے کو مومن کہتے ہیں
 اور یقین کئے ہوئے ہیں کہ ہم مومن ہیں۔ قرآن کریم ایمان کی علامت حب اللہ
 بتلاتا ہے۔ فَوَلِّهَا ج۔ وَالَّذِينَ اسْتَوٰا۟ اٰتٰتُ حُبًّا لِّلّٰہِ (اور جو لوگ ایمان لائے
 اللہ کی محبت میں بڑے شدید ہیں) پھر قرآن جگہ جگہ یہ بھی بتلاتا ہے کہ اللہ کی محبت
 کی علامت آنے کے موت ہے۔ اِنَّا نَفِیْجُہٗ یَوْمَئِذٍ لِّمَا کَانَ اَہٗ لَہٗ (خدا و رسول احوال
 رسول کنز و یک محبت اہلبیت کی علامت موت کی محبت ہے۔ جس کو اہلبیت سے
 محبت ہوگی اس کو موت بھی محبوب ہوگی۔ اب آپ بتلائیے کہ اگر خدا و رسول
 احوال رسول سے ہیں تو جب تک آپ کو موت سے محبت نہ تھا آپ مجھے کیا اور

بیز اس ملامت کے آپ اپنے دعویٰ محبت میں سچے ہیں تو معاذ اللہ وہ سب جھوٹے ہوتے ہیں۔ اور اگر ایسا ہے تو پھر تو سارے کا سارا مذہب ہی بے کار ہے بلکہ ان کی تکذیب کرنے کے سبب آپ اپنے کو سختی عذاب الیم بنارہے ہیں۔

اب رہا حسین پر رونا تو ہندو۔ حنفی۔ شیعہ۔ اسماعیلی سب ہی حسین پر روتے ہیں پھر آپ میں اور ان میں کون سا فرق ہے؟

عزادار۔ میاں فرق کیسے نہیں۔ ہم خدا و رسول کو مانتے ہیں ہندو نہیں مانتے ہم دشمنانِ اہلبیت سے بیزاری اور نفرت کرتے ہیں حنفی ایسا نہیں کرتے۔ ہم پورے بارہ اماموں کو مانتے ہیں اسماعیلی آخری چھ اماموں کو نہیں مانتے۔ پھر ہم اور وہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اس پر بھی کوئی نہ سمجھے تو اس کی حماقت اور پاگل پن ہے۔

عارف۔ اہل بھائی! میں تو احمق ہوں، پاگل ہوں، مجنون ہوں۔ اور جو کوئی بھی حق بات کہے گا۔ قرآن سنائیگا۔ وہ پاگل اور مجنون ہی کہلائے گا۔ میں تو اس بات کا برا نہیں مانتا اس لئے کہ کفار و مشرکین اور منافقین کی سنت یہی رہی ہے کہ حضور سرور کائنات اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو وہ لوگ مجنون پاگل احمق اور گمراہ ہی کہا کرتے تھے۔ مجھ کو حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی غلامی کے حصول کی خواہش ہے اور وہ باتیں جو وہ لوگوں کو سناتے تھے میں آپ کو سنارہا ہوں تو آپ اگر مجھے پاگل موقوف اور گمراہ کہیں تو میرے لئے باعثِ فخر ہے نہ سببِ تحش۔

عزادار۔ اب تو آپ بہت ہی بڑھ چلے۔ آپ کی زیادتی کی کوئی انتہا ہی نہ رہی۔ گویا کہ ہم آپ کے نزدیک کافر، مشرک اور منافق ہیں۔ آپ کی ایسی سخت باتوں کو میں برداشت نہیں کر سکتا۔

عارف۔ بھائی صاحب میں تو آپ ہی کے بھلے کی بات کہہ رہا ہوں بھلا سوچیں تو سہی میں کیا فائدہ ہے۔ پیارے بھائی! خدا غور تو کرو اگر کوئی شخص یہ یقین کر لے کہ اس

کے گھر میں بہت سال ہے بہت سا غلہ ہے اور کھانے پینے کے ہر قسم کے سامان کا ذخیرہ ہے، اور حقیقتاً نہ ہونو اس کا یہ یقین اس کی ہلاکت کا باعث ہو گا یا نہ ہو گا۔ اسی طرح سے آپ بھی یہ یقین نہ کر لیں کہ آپ کے پاس ہلاکت ابدی سے بچنے کا سامان موجود ہے۔ اور اگر حقیقتاً نہ ہو تو کوئی چیز بھی آپ کو ہلاکت ابدی سے بچا سکتی ہے۔ میں اپنے ارجمند راہبین لکھنا کسی طرح شکر نہیں بجا لا سکتا جس نے محض اپنی رحمت سے اپنے رسول کے صدقے سے اپنے حسین کے طفیل سے مجھے اتنا شعور عطا فرما دیا کہ میں یہ سمجھ سکا کہ حالت لاشعوری میں کفر و شرک اور نفاق عظیم میں مبتلا ہوں۔ ہزار ہزار شکر ہے اس کا کہ شعور آتے ہی نفاق سے نکل گیا اور ہلکے سے اتنا نہ شروع کیا کہ وہ مجھے کفر و شرک سے نکلے۔ آپ بھی اگر ٹھنڈے دل سے سن لیا ہیں تو میں آپ کو دکھلا دوں گا اور خود آپ اپنی ہی زبان سے اقرار کر لیں گے کہ آپ اس وقت تک کلام خدا کے مطابق کفر و شرک اور نفاق عظیم میں مبتلا ہیں۔ اتنا بڑا نفاق جس سے زیادہ نفاق کی کوئی منزل نہیں ہو سکتی۔

عزادار۔ الیاذہ اللہ الیاذہ اللہ تم نے تو وعدہ ہی کر دی۔ میاں منافق تو وہ ہے جو علی سے محبت نہ رکھے۔ ہمیں آپ نے کیسے منافق کہہ دیا؟

عارف۔ پیارے بھائی سنو تو سہی اور نہ راٹھنڈے دل سے سنو گھر اومت یہ بتاؤ کہ منافق کس کو کہتے ہیں اور نفاق کے کیا معنی ہیں؟

عزادار۔ بھائی جو شخص زبان سے کوئی بات کہے اور اس کے دل میں نہ ہو اس کو منافق کہتے ہیں۔ دل اور زبان کا ساتھ نہ ہونا ہی نفاق ہے۔

عارف۔ ایک شخص جو دل سے تو کسی حق بات کی تصدیق کرتا ہے مگر زبان سے اس کے خلاف کہتا ہے کیا آپ اس کو بھی منافق کہیں گے؟

عزادار۔ نہیں جناب اس کو کیوں منافق کہتے۔ بلکہ منافق تو اس شخص کو کہیں گے جو زبان سے حق بات کہتا ہو مگر دل سے تصدیق نہ کرتا ہو یعنی صرف زبان سے کہتا ہو۔ دل

کہتا ہو۔ اس قول میں اس کا دل زبان کا ساتھ نہ دے رہا ہو۔

عارف۔ اچھا یہ بات ہے تو اب ذرا بتاؤ تو سہی کہ زیارت جناب سید الشہدا علیہ السلام جس کو آپ مقرر شہدا کے ثواب کی نیت سے پڑھا کرتے ہیں اس کے آخری حصہ میں جو آپ خدا کو رسول کو اس کے سارے انبیاء کو خدا کے ملائکہ کو گواہ کر کے کہتے ہیں تِلْكَ يَوْمَ تَقُفُّ الْأَشْبَارُ وَالْأَنْفُسُ وَأَصْحَارُ الْأَرْضِ عَلَى أَلْسِنَةِ رَبِّكَ الَّذِي هُوَ أَعْلَمُ بِمَا فِي صُفُوفِهِمْ يَوْمَ تَقُفُّ الْأَشْبَارُ وَالْأَنْفُسُ وَأَصْحَارُ الْأَرْضِ عَلَى أَلْسِنَةِ رَبِّكَ الَّذِي هُوَ أَعْلَمُ بِمَا فِي صُفُوفِهِمْ (میرا قلب آپ کے قلب کے لئے مطیع کامل ہے اور میرا ہر کام تمہارے کاموں کے مطابق ہے) یہ آپ دل سے کہتے ہیں یا زبان سے۔ اس میں آپ کا دل زبان کا ساتھ دیتا ہے یا نہیں؟ یہ ایمان ہے یا لفاق؟

(۲) اور دیکھئے عید کی نماز میں جو دعائے قنوت آپ پڑھتے ہیں اس میں دعا کیے ہیں اَذْخَبْنِي فِي كُلِّ خَيْرٍ اَدْخَلْتَ فِيهِ مُحَمَّدًا وَاَلْ مُحَمَّدِيَا وَاخِرَ خَيْرِي مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اَخْرَجْتَ مِنْهُ مُحَمَّدًا وَاَلْ مُحَمَّدِيَا (بارا الہ مجھے بھی ان ساری نیکیوں میں داخل کر دے جن میں تو نے محمد و آل محمد کو داخل کیا۔ اور مجھے بھی ان تمام برائیوں سے نکال دے جن سے تو نے محمد و آل محمد کو نکالا) آپ کی اس تمام عرضداشت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ہم کو بھی ان ہی کی مثل خطاؤں سے محفوظ کر دے تاکہ ہم بھی معصوم کے غلام بن سکیں اور جس طرح سے انھوں نے دنیا میں زندگی گذاری اسی طرح سے زندگی گزارنے اور ان ہی کی طرح دنیا کا ہر کام کرنے کے قابل بنا دے یعنی ہم کو ان کا پورا پورا اتباع کرنے اور ان کا پوری پوری نقل کرنے کی اہلیت عطا فرما دے۔ اب فرمائیے کہ آپ کی یہ دعا دل سے ہوتی ہے یا زبان سے۔ یہاں دل زبان کے ساتھ ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا تو اب تک اس کا کچھ اثر بھی دیکھ لیتے اگر نہیں ہوتا تو اب آپ ہی فرمائیے کہ یہ ایمان ہے یا لفاق؟

(۳) اور دیکھئے دعائے سحر مختصر جو امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے جس کو آپ رمضان المبارک میں سحر کے وقت پڑھتے ہیں اور اس کو طوطے کی طرح پڑھ لینے کو باعث ثواب عظیم سمجھتے ہیں اس کا دوسرا آخری حصہ تو ملاحظہ ہو۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ

أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا تَبَاشَرُ بِهِ تَلَبُّي وَيَقِيًا صَادِقًا حَتَّى أَعْلَمُ أَنَّكَ لَنْ تُبَيِّنَنِي
 إِلَّا مَا كَلَّمْتَ بَنِي وَرَضْتَنِي مِنَ الْغَيْشِ بِمَا قَسَمْتَ لِي يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ
 (ترجمہ۔ یا اللہ میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جس سے میرے دل کو بشارت ہو،
 یعنی قلب روشن ہو جائے اور ایسے سچے یقین کا سوال کرتا ہوں کہ میں یہ جان جاؤں کہ
 مجھے تو کوئی غم کوئی تکلیف پہنچ ہی نہیں سکتی مگر وہ جو تو نے میرے لئے مقرر فرما دی ہے
 اور اس زندگی سے مجھے خوشنود کر دے جو تو نے میرے حصہ میں قرار دی ہے۔) مطلب
 یہ ہے کہ ہر بلا و مصیبت، ہر تکلیف و آفت جو کچھ بھی مجھے زندگی میں پہنچیں ان پر خوش
 رہنے کی طاقت عطا فرما دے۔ کہئے یہ آپ دل سے کہتے ہیں یا زبان سے یہ ایمان ہے
 یا اتفاق؟ — اور دکھلا دوں؟ کچھ اور دیکھنا چاہتے ہو؟ میں تو اس قسم کی ہزاروں
 مثالیں آپ کو دکھلا سکتا ہوں؟

عزادار۔ ہاں بھائی! کچھ اور بھی دکھلا دو اب تو حیرت بڑھتی جاتی ہے،
 اور وہ کبر و نخوت اور غرور جو اپنے کو جنتی سمجھنے کا نفس میں تھا کم ہوتا جاتا ہے۔
 عارف۔ اچھا دیکھئے میں آپ کو چند فقرے زیارت جناب امیر علیہ السلام
 دکھاتا ہوں اور اسی پر بس کرونگا۔ کیونکہ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ سنئے آپ کہتے ہیں۔
 (۱) السلام علیک یا ابی الاکھبتی معدن النبوة (سلام ہو تجھ پر اے
 اماموں کے باپ اور نبوت کی کان) اب آپ یہ بتلایئے کہ نبوت کی کان کا آپ کیا
 مفہوم سمجھتے ہیں۔ کان تو اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے معدنیات نکلتے ہیں۔ آپ کیا
 سمجھا کہتے ہیں اور جب بغیر سمجھے کہا تو آپ کا دل زبان کا ساتھ کیسے دے سکتا ہے؟
 اب آپ اپنی ہی زبان مبارک سے فرما دیجئے کہ یہ ایمان ہے یا اتفاق؟

(۵) اس کے آگے ہے السلام علیک یا میزان الاعمال و مقبض الاحوال
 (سلام ہو تجھ پر اے اعمال کی میزان اور اسے احوال کے بدلنے والے) آپ نے تو یہ سمجھا ہوا؟

کیاست میں کوئی لوہے یا لکڑی کی ترازو آکر کھڑی ہوگی جس کے ایک پڑے میں سکیوں کی گٹھری اور دوسرے میں بد اعمالیوں کا وزنی پورا رکھ دیا جائے گا۔ گویا دربار ذوالجلال ایک بنے کی دکان ہوگی جہاں اعمال کا تولہ ہوگا اور برکت — برکت — برکت — دواں — دواں — دواں کی صدا میں بلند ہونگی۔ اگر علی کو میزان اعمال سمجھے تو یقیناً میت میں و المیزان حق علی کی گواہی دینے کے بعد علیحدہ کیوں بنا کرتے۔ اور مقلب الاحوال تو آپ اور آپ کے علمائے کرام خدا کو سمجھتے ہیں۔ اب آپ

ہاں بتائیے کہ آپ یہ دل سے کہتے ہیں یا زبان سے؟ یہ ایمان ہے یا نفاق؟ دیکھئے آپ آج تک میزان کا کیا مطلب سمجھے ہوئے تھے۔ لیجئے اب میں آپ کو قرآن سے دکھاتا ہوں قرآن کہتا ہے وَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةِ الرَّاغِبِينَ جس کا ترجمہ تمام علمائے کرام کے تصدیق کردہ ترجمہ قرآن مترجمہ مولوی فرمان علی صاحب مرحوم میں یہ لکھا ہے۔ "تو جس کے نیک اعمال کے پلے بھاری ہوں گے وہ من بجائے عیش میں ہوگا۔"

اب ذرا اس کے لفظی ترجمہ پر آپ خود ہی غور کریں کہ قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ جس کی میزانیں یعنی ترازوئیں ثقل (یعنی بوجھ۔ وزن) ہوں گی وہ خوشنودی کی زندگی میں ہوگا یعنی رضائے الہی اور حیات ابدی اس کو مل جائیگی۔ اب آپ خود ہی ملاحظہ فرمائیں کہ آپ کے مولوی صاحب کا ترجمہ کس قدر غلط اور گمراہی میں ڈالنے والا ہے اور اسی طرح کی سیکڑوں غلطیاں اس ترجمہ میں ہیں۔

اب دیکھئے میں آپ کو میزانیں اور ثقل دکھاتا ہوں۔ میزان کے متعلق تو بہت سی احادیث ہیں جن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ حضرت عائشہ معصومین علیہم السلام ہی میزان اعمال ہیں۔ سرور کائنات صلعم نے کبھی علی کو میزان بتایا تو کبھی پختن پاک کو ترازو بتایا، جس کا سنہایا مرکز خود اپنے کو فرمایا اور حضرات معصومین کے اقوال بھی موجود ہیں جن میں

فرمایا ہے نحن موازنين الاعمال یعنی اعمال کی ترازو میں ہم ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ثقل کیا ہے۔ اس کو رسول سے دریافت کر لو حضور نے فرمایا ہے اِنِّیْ تَارِثُ فِیْکُمْ التَّقْلِیْنَ کِتَابُ اللّٰہِ وَعِزَّتِیْ اَہْلِیْنِیْ..... الخ ترجمہ تحقیق کہ میں تم میں دو ثقل (بھاری بوجھ) چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب اور دوسری میری اولاد جو میرے اہلبیت ہیں۔ (تا آخر) اب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ میزانوں کے ثقل ہونے سے کیا مراد ہے۔ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ مخلوق کے اعمال قرآن و اہلبیت کی ترازو پر تولے جائیں گے۔ اب آپ دریافت کرئیے کہ تولنے کا مطلب کیا ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو آپ اپنی زبان میں بھی بولتے ہیں کہ پہلے تو لو بعد کو بولو تو کیا اپنی بات کو آپ ترازو بٹوں سے تولتے ہیں۔ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس بات کی بھلائی اور برائی کا موازنہ کر لو۔ اس کی بھلائی اور بھلائی کو سامنے رکھ کر دیکھ لو اور یہی مفہوم ہے قرآنی اَلْقُرْآنُ یُؤْتِیْ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اَلْحَقُّ کَلَّا تَوَلَّوْا اَیَّ دَیْنٍ اَکْثَرُ (پس اگر قرآن میں میزان کا ذکر نہ ہوتا تو ہم اس آیت سے نیکی اور بدی کا موازنہ سمجھ لیتے مگر وہاں تو میزانوں کا ذکر موجود ہے جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کا اور اہلبیت کے اعمال سے لوگوں کے اعمال کا موازنہ کیا جائے گا کہ ان کے اعمال سے یہ اعمال کہاں تک ملتے ہیں؟

(۶) اس سے آگے ہے السّٰلٰمُ عَلٰی صَالِحِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَوَارِثِ عَلَہِ النَّبِیِّیْنَ وَ اَلْحَآکِمِیْنَ عَلَ الدِّیْنِ (سلام ہو نیک ترین مومنین پر اور نبیوں کے علم کے وارث پر اور قیامت کے دن کے حاکم پر) اب آپ ہی فرمائیے کہ آپ علی کو حاکم یوم الدین سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ آپ دل سے کہتے ہیں یا صرف زبان سے۔ پھر اسی کے آگے ہے السّٰلٰمُ عَلٰی شَجَرَةِ التَّقْوٰی وَ سَامِعِ الْمِیْرَ وَ الْبُخْوٰی وَ مَنْزِلِ الْمَنِّ وَ السَّلَاطِیْ یعنی سلام ہو تقویٰ کے درخت پر اور پوشیدہ رازوں اور مشوروں کے سننے والے پر اور سن و سلویٰ کے منازل کرنے والے پر) غرض کہ یہ تمام کی تمام زیارت اسی قسم کے عبادات

سے بھری ہوئی ہے۔ اس کا مفہوم صحیح تو آپ اس وقت سمجھ سکتے اور اس وقت سمجھ کر کہہ سکتے کہ جب ائمہ علیہم السلام کی بتائی ہوئی توحید آپ کے مروجہ مذہب میں موجود ہوتی آپ کے مذہب میں تو یہ تمام صفات الہیہ سمجھی جاتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اب وقت میں گنجائش نہیں ورنہ میں سیکڑوں حدیثیں اور اویس کے فقرے ایسے دکھاتا جس سے آپ کو تپہ چل جاتا کہ آپ کے مذہب میں جو مفہوم ان کا لیا جاتا ہے وہ ائمہ علیہم السلام کے مفہوم کے بالکل مختلف ہے۔ اب خود غور لیں کہ اہلبیت کا مذہب تو تمام کا تمام شعور کا ہے اور آپ کا مروجہ مذہب تمام کا تمام لاشعوری۔ اب آپ خود ہی غور کر لیں کہ یہ سب سے بڑا نفاق نہیں تو اور کیا ہے۔

عزادار۔ بھائی آپ نے تو میرے پوش و جو اس گم کر دیئے ہیں تو بالکل مبہوت ہو گیا۔ آپ نے وزن اعمال کے متعلق جو کچھ بیان کیا تھا میرے ذہن میں کچھ آیا ہی نہیں اب ایک حدیث یاد آئی۔ کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اعمال کا تولانا کیا ہے؟ تو حضرت نے فرمایا تمہاری نیکیوں کا اعلان نامہ بدیوں سے موازنہ کیا جائیگا اور آپ نے اس حدیث کی تکذیب کر دی۔ آپ کس قدر جرات کر رہے ہیں؟

عارف۔ بھائی میں کسی حدیث کی تکذیب نہیں کرتا۔ آپ غور و فکر تو کرتے نہیں خط لفظوں کی پرستش کرتے ہیں۔ بھائی صاحب آپ غور کریں تو بات کی تہ کو پہنچیں اور حقیقت سمجھیں آئے۔ میاں بات یہ ہے کہ حضور سرکارِ دو عالم اور حضور کے اہلبیت معرفت کامل پر فائز ہیں۔ شعور کامل ہیں۔ ان حضرات کے پاس جاننے والے۔ ان سے سوال کیلے والے ایسے بھی تھے جن کے ذہن بالکل تربیت یافتہ نہ تھے۔ اور ایسے بھی تھے جو نیم تربیت یافتہ تھے اور تھوڑا بہت شعور حاصل کر چکے تھے اور ایسے بھی تھے جن کو کافی شعور حاصل ہو چکا تھا۔ غرض کہ ہر ذہنیت کے اشخاص ان حضرات سے سوال کرتے رہتے تھے تو ان کا فریضہ تھا کہ ہر شخص کو اس کی ذہنیت اور اس کے شعور کے مطابق جواب

دیں۔ اور کَلِّفُوا النَّاسَ عَلَى قَدْرِ عَظْمِ اِحْتِمَالِهِمْ (لوگوں سے ان کے عقل کے اندازہ کے مطابق
 بات کرو) کا یہی مطلب ہے۔ اگر کسی لاشعور شخص کے سامنے وہ بات کہی جائے جو صاحبِ
 شعور سے کہنی چاہیے تو وہ گمراہ ہو جائے گا یا مجنون ہو جائے گا۔ اسی بات کو قرآن کہتا ہے
 لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (اللہ تعالیٰ تکلیف نہیں دیتا کسی نفس کو مگر اس کی
 وسعت کے مطابق) پس ابتدا میں جب مکمل لاشعوری ہوتی ہے تو ان کو شعور حاصل کرنے
 کے رستے کی طرف ان کی فہم کے مطابق بتلایا جاتا ہے۔ جوں جوں شعور بڑھتا جائے گا۔
 حقیقت منکشف ہوتی جائیگی۔ اس کی مثال آپ ایسی سمجھ لیں کہ جیسے باپ اپنے چھوٹے
 بچہ کو ڈرانے کے لئے کہتا ہے کہ تو بے چرھی پیٹ میں گھس جائے گی۔ بی بی شادی تم کو
 پکڑ لینگے۔ بخوے کی گاڑیاں آجائیں گی۔ لو لو آجائیں گے ایسے بچہ سے جو رفع حاجت کے لئے
 جاتا اور کپڑے نمس کر لاتا ہے باپ کہیں گا کہ بیٹا پا سجا مہ اتار کر یا سنا خانہ جایا کرو۔ اب غور
 فرمائیں کہ بچہ کی اصلاح کے لئے یہی باتیں ضروری ہیں یا نہیں اور ان میں کون سی بات
 جھوٹ ہے۔ بچہ اپنے تصور میں تو بے چرھی۔ بی بی شادی۔ بخوے کی گاڑیاں اور لو لو کی
 ایک بھیانک تصویر قائم کر لیتا ہے اور اس سے خوف کھا کر برائیوں سے بچ جاتا ہے جیسے
 جیسے شعور حاصل کرتا جاتا ہے حقیقت واضح ہوتی جاتی ہے۔ بالآخر سمجھ لیتا ہے کہ تو بے
 چرھی ہوئی روٹی روزنیٹ میں جاتی ہے۔ بی بی شادی کا مفہوم بھی سمجھ لیتا ہے۔ بخوے
 کی گاڑیاں بھی دیکھ لیتا ہے کہ غلہ سے بھری ہوئی گاڑیاں آ رہی ہیں۔ لو لو کے معنی بھی
 جان لیتا ہے کہ موتی کو کہتے ہیں اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ سب کچھ سچ تھا۔ اسی کو تقبیہ کہتے ہیں
 رسول اور آل رسول کا تقبیہ یہی ہے۔ وہ بھی امت کے باپ ہیں اور ہم سب لاشعور بچے
 ان کا فرض ہے کہ دنیا کے حقیقت کے لاشعور بچوں سے ان کی سمجھ کے مطابق ایسی
 بات کہیں جس سے وہ خائف ہو کر برائیوں سے بچیں اور شعور حاصل کرنے کے رستے پر
 بہ آسانی چل سکیں۔ جب ان کو شعور آنے لگے گا تو اس کلام کا مفہوم حقیقی خود ہی سمجھ لینگے

اور حقیقت ان پر آشکار ہو جائیگی تب وہ بھی دوسروں کے شعور کے مطابق بات کرنے لگیں گے۔ تقیہ ان پر بھی واجب ہو جائے گا۔

اچھا اب میں آپ ہی سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر ایک بیس سالہ جوان صاحب ریش اپنے ہمنوں اور زیادہ عمر والوں سے یہ کہتا پھرے کہ تو بے چارے پیٹ میں گھس جائیگی۔ بی بی شادی تم کو پکڑ لینگی۔ پاجامہ اتار کر پائے نہ جانا چاہئے۔ والد مرحوم اعلیٰ ماشد مقامہ ہی فرمایا کرتے تھے تو بتلائیے اس میں باپ کا کیا قصور ہے؟ اسی طرح اقوال تو تمام کے تمام ائمہ علیہم السلام کے ہی ہیں۔ احادیث تو سب رسول ہی کی ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ تمام فرق اسلامیہ میں تسکیل مذہب ان لوگوں نے کی ہے جو مکمل لاشعوری کی حالت میں تھے۔ اور معرفت کی تم اور حقیقت کی رح سے بھی کوٹا نہ تھے۔ لہذا انہوں نے اپنے فرقے کے عقاید کی بنا محض ان احادیث اور روایات کو قرار دے لیا جو لاشعور دل سے بیان کی گئی تھیں۔ پیچھے آنے والوں نے اسی کو حقیقت سمجھ لیا اور تو بے چارے اور بی بی شادی کی تفصیلیں اپنے قیاس سے بیان کرنی شروع کر دیں۔ اور قیاس آئیاں کر کر کے علوم کے دیا بہادیئے، کتابوں کے انبار لگا دیئے۔ یہ حقیقت اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ کوئی صاحب معرفت لاشعوری کی بات کتابوں میں نہ لکھے گا اور سوائے راہ شعور اور اصلاح نفس اور چیزوں پر کتابیں نہ لکھیں گے۔ اب بھی آپ سمجھ یا نہیں کہ آپ کے مذہب کی تمام وکمال بنیاد تو بے چارے بی بی شادی۔ بخوے کی گاڑیاں اور لولوبا جیسی احادیث پر مبنی ہے پھر آپ کسی چیز کی حقیقت کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ دیکھئے قیامت میں ترار و کھڑی ہوگی جس کے ایک پہلو میں نیکیاں اور دوسرے میں بدیاں رکھی جائیگی یہ بھی قول رسول اور نامہ اعمال کا موازنہ ہو گا یہ بھی قول رسول اور اعمال کی ترانہ و ملی ہے یہ بھی قول رسول، اب آپ بتلائیے ان میں کون سی حدیث کی آپ تکذیب کر چکے۔ آپ کو تو علم الرجال کی طرف

رجوع کرنا ہو گا۔ جوان لوگوں کا بنایا ہوا ہے جو مکمل لاشعوری کی حالت میں تھے۔ آپ ان احادیث کی توثیق میں علم کا مقدمہ ضائع کر دیں گے اور جب تینوں حدیثیں معیار توثیق پر پوری اترے گی تو نجاست شک میں مبتلا ہو جائیں گے،

اگر بجائے اس دھندے کے آپ خود غور و فکر کرتے تو آپ کی سمجھ میں آ جاتا کہ بھائی اعمال تو لے جانے کی چیز نہیں۔ پہلی حدیث تو لقیہ ہے اب دوسری پر غور کرتے کہ جب تک حب اہلبیت یعنی حب رسول جو عین حب اللہ ہے کسی کو حاصل نہ ہو لے اس کے نیکی کے اعمال نامے پر تو کچھ لکھا ہی نہیں جاسکتا لہذا ایسے شخص کا تو نیکی کا اعمال نامہ ہی نہ ہو گا۔ اور جب حب اللہ پیدا ہو جائیگی تو بدیاں نامہ اعمال سے محو ہو جائیگی اور وہ خطاؤں سے محفوظ ہو جائیگا جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔ **إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّرَّاتِ** (نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں) اسی کو رسول نے فرمایا **حُبِّ عَلِيٍّ يَأْكُلُ الذَّنْبَ** کما تَأْكُلُ السَّارَةُ الْخَطِيئَةَ (علی کی محبت گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو) پس حب علی جو عین حب رسول اور حقیقتہً حب اللہ ہے جس وقت دل میں پیدا ہو گی تو پھر بدی رہ نہیں سکتی۔ اس حالت میں بھی اعمال نامہ ایک ہی ہو گا۔ پھر موازنہ کس چیز سے کیا جائے گا لہذا دوسری حدیث بھی مبنی بر لقیہ ہے اور ایسے شخص سے بیان کی گئی ہے جو پہلے سائل کی نسبت کچھ زیادہ شعور رکھتا تھا تیرا حدیث کی توثیق قرآن میں **فَاتَّبِعُونِي** (یعنی میرے جیسے کام کرو) سے اور حدیث میں **صَلُّوا كَمَا زَأْتُمُونَ فِي أَصَلَاتِي** (نماز پڑھو اس طرح جیسے کہ تم دیکھتے ہو میں پڑھتا ہوں) سے ہوتی ہے۔ اور اسی مضمون کی بیشمار حدیثیں ہیں کہ رسول اوصال کی نقل کرو۔ اب بھی آپ سمجھے کہ صاحبان شعور کے لئے تیسری حدیث ہی ہے۔

اسی طرح سے اوس ایک آیت دکھاتا ہوں۔ **وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ** وَنَحَّى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (اور لیکن جو اپنے رب کے

سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشوں سے باز رکھا اس کا ٹھکانہ جنت
 ہے۔ شعور حاصل کرنے کا یہ راستہ قرآن نے بتایا ہے اور حصول جنت کا انحصار نفس
 کٹی پر کیا ہے کہ جس کام کو جی چاہے اس سے باز رہو۔ نفس کی خواہش سے کوئی کام نہ کرو۔
 عزاوار۔ واہ جناب آپ نے یہ ترجمہ بالکل غلط کیا۔ مولوی فرمان علی صاحب
 کے ترجمہ میں تو یہ لکھا ہے "مگر جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا
 اور جی کو ناجائز خواہشوں سے روکتا رہا تو اس کا ٹھکانہ یقیناً بہشت ہے۔" یہ ترجمہ
 صحیح ہے۔ ہوئی تو کہتے ہی ہیں بُری خواہش کو۔ اس لئے کہ اگر ہر خواہش سے نفس کو
 روکنا ضروری ہے تو خواہش تو نماز پڑھنے کی بھی ہوتی ہے۔ وضو کرنے کو بھی جی چاہتا
 ہے۔ خواہش تو استنجا کرنے اور طہارت کرنے کی بھی ہوتی ہے۔ لہذا اپنے ترجمہ بالکل غلط کیا۔
 عارف۔ بھائی صاحب! آپ کی تو تمام باتیں لاشعوری کی ہوتی ہیں۔ شکل
 یہ ہے کہ اردو میں "ہوئی" کا ترجمہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ عربی میں تو دو لفظ ہیں
 شہوت اور ہوئی۔ اور فارسی میں صرف ایک خواہش اور اردو میں صرف ایک چاہ
 اب سمجھو کہ شہوت تو اس خواہش کو کہتے ہیں کہ جو خود بخود نفس میں ہی پیدا ہوئی
 مثلاً بھوک۔ پیاس اور نفس کی گہرائی میں حالت لاشعوری میں مال کی، اولاد کی غرضوں
 کی خواہش بھی پڑی ہے۔ یہ سب شہوات ہیں اور جب خارجی اثر سے متاثر ہو کر
 کسی چیز کے کھانے کو جی چاہے یا مال، اولاد اور عورتوں کی خواہش نفس میں پیدا ہو
 اور دل میں کشش اور جوش ہو ایسی خواہشات کو عربی میں ہوا کہا جاتا ہے۔ اس میں
 جائز ناجائز کا کوئی سوال نہیں۔ اس لئے کہ نفس کو جب کسی کام کی عادت پڑ جاتی ہے
 خواہ وہ جسمانی ورزش ہو یا مذہبی رسم تو وہ تکلیف جو اس کام میں نفس کو پہنچتی ہے
 اس کا ایسا ہی عادی ہو جاتا ہے جیسے ایفون کا یا اور نشوں کا۔ کہ جہاں وقت آیا
 اور اس نے مانگا کہ میری غذا لاؤ۔ لہذا کوئی کام بھی ہو نماز ہو یا روزہ اگر رشتہ و عادت

ہے تو بیکار ہے۔ مفید کام تو وہ ہو گا جو عقل کے حکم سے ہو نہ کہ نفس کی خواہش سے۔

اب بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ میں جو معنی "ہوئی" کے بیان کر رہا ہوں وہ شعور کے کہہ رہا ہوں۔ سمجھ سے کہہ رہا ہوں اس لئے کہ اگر "ہوئی" کے معنی "نا جائز خواہش" یا "نہائش خواہش کرنا" ہی صحیح ہیں تو ذرا اس آیت کا ترجمہ کر دیجئے۔ "كَلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُهُمْ فَزَيَّنَّا لَهُمْ فُتُورًا لَّئِنْ لَمْ يَرْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتُوا بِهَا وَيَأْمُرُوا بِنِعْمَتِ اللَّهِ يُزَكَّوْا أَذْهَبَتْ عَنْهُمْ آلُفٌ حَقٌّ"۔ کلام اللہ تعالیٰ اس کوئی رسول ایسی چیز کے ساتھ یعنی ایسی چیز لے کر کہ خواہش نہ کرتے تھے نفس ان کے کسی کو انھوں نے بھٹلایا اور کسی کو انھوں نے قتل کر دیا۔ ہاں حضور اب فرمائیے لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُهُمْ کے معنی کیا ہوئے۔ آپ کے ترجمہ کے مطابق تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ نا جائز خواہش نہ کرتے تھے نفس ان کے۔ اب بھی شرم کرو اور اس لاشعوری کے نفاق سے نکلنے کی کوشش کرو کہ تمام کا تمام مذہب تو بے چڑھی اور بی بی شادی پر قائم کر رکھا ہے اور اس تو بے چڑھی اور بی بی شادی کی تصوری اور قیاسی شکل کی تفسیروں اور تشریحوں میں کتب خانے کے کتب خانے بھرے ہوئے ہیں۔ اسلام کا مقصد نہ سمجھے۔ اس نے تو راہ شعور پر ڈالا تھا اگر اس پر چلتے تو کتب مذہبی کے ہزار اونٹوں کے بار سے گد ہوں کی طرح لدے لدے نہ پھرنا پڑتا۔ اب بھی آپ سمجھے کہ قیاسی ترجمے سب وحی شیطانی ہیں۔ اسی طرح کی اس ترجمہ میں اور دیگر تراجم میں ہزاروں افلاطین جو باعث گمراہی خلق اللہ ہو رہی ہیں ان کا یہی نفاق عظیم ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن اور اہلسنت کی بتلائی ہوئی علامات ایمان میں سے آپ اپنے نفس میں ایک بھی نہ پائیں گے۔

عزادار۔ بھائی صاحب! آپ شعور و لاشعوری جو بیکار کہہ رہے ہیں اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟

عارف۔ جناب پہلے تو آپ اس پر غور کریں اور سوچ کر بتلائیں کہ یہ

جو کہہ سکتے ہیں کہ آج سٹھان کو جی چاہتا ہے یا فلاں کام کرنے کو جی چاہتا ہے یا کسی
لئے کو جی چاہتا ہے۔ یہ کون چاہتا ہے؟

عزادار۔ جنب ہمارا تو دل چاہتا ہے۔ دل ہی تمام جسم کا عالم اور امام ہے
ساری خواہشیں دل سے ہوتی ہیں۔ اللہ اکبر کیسی عجیب چیز ہے۔ ایک گوشت
کا لوتھڑا اور رب جلیل کی سیرگاہ۔

عارف۔ بھائی جان! اگر دل چاہا کرتا ہے اور گوشت کا لوتھڑا ہی اصل چاہنے
والا ہے تو مردہ کا دل بھی چاہا کرتا ہے یا نہیں۔ دل تو اس میں بھی ہوتا ہے اور اسی
جگہ ہوتا ہے۔

عزادار۔ اس میں تو جان ہی نہیں ہوتی وہ کیسے چاہے گا۔ مگر اصل میں چاہنے
والا دل ہی ہے۔ بہت سی احادیث میں جسم کا امام دل ہی کو بتلایا گیا ہے اگر چاہنے والی
کوئی اور چیز ہوتی تو اسی کو حضور رسول کریم تمام جسم کا امام کیوں نہ کہتے؟

عارف۔ یہی تو میں کہتا ہوں کہ آپ کو شعور نہیں ہے۔ اپنے خود ہی کہنا
کہ مردہ میں جان نہیں ہوتی مگر وہ بھی لا شعوری میں کہا۔ اپنے خود یہ نہ سمجھا کہ میں نے
کیا کہا۔ جب بغیر جان کے دل نہیں چاہ سکتا تو اصل چاہنے والی تو جان ہی ہوتی اور
دل اس کا ایک آلہ۔ اسی چاہنے والی جان کو نفس کہتے ہیں۔ آپ نے احادیث میں تو
دل دیکھ لیا مگر قرآن میں نفس نہ دیکھا کہ جگہ جگہ ذکر ہے کہ ان کے نفس نہ چاہتے تھے۔ وہ
اپنے نفسوں کو دھوکہ دیتے تھے وغیرہ۔

عزادار۔ بھائی صاحب! یہ تو عجیب بات ہے اگر چاہنے والی جان اور نفس
ہی ہے تو جان تو سارے جسم میں ہے۔ پھر خواہش کا اثر دل پر ہی ایسا کیوں معلوم ہوتا
ہے۔ اور بیشمار حدیثوں میں دل کو کیوں امام کہا گیا ہے؟

عارف۔ پیارے بھائی! بات یہ ہے کہ نفس انسانی جس کو آپ جان بھی کہتے

تمام جسم میں ہے اور خون میں بہت باریک کیڑے ہیں جو بڑی طاقت کی خوردبین سے نظر آتے ہیں اور اسی قسم کے باریک کیڑے دنیا کی ہر چیز میں ہیں ان کو جراثیم کہتے ہیں جب نفس میں کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے یا کسی جذبہ سے متاثر ہوتا ہے مثلاً خوشی سے یا غم سے یا ہمدردی سے۔ تو خون کے ہر کیڑے پر وہی کیفیت طاری ہوتی ہے جو خود نفس پر ہے اور چونکہ تمام جسم کے خون کے دورہ کا مرکز دل ہی ہے۔ اس لئے اس خواہش یا جذبہ کا اثر سب سے زیادہ دل پر محسوس ہوتا ہے۔ اسی واسطے ہر بچہ اور وہ شخص جس کو ان باتوں کا شعور نہیں ہے خواہش کرنے والا اور اثر قبول کرنے والا دل کو ہی سمجھتا ہے اب بھی آپ سمجھے کہ جن احادیث میں دل کا ذکر کیا گیا ہے اس کے مخاطب آپ ہی جیسے لا شعور لوگ تھے۔ اب بھی آپ کو شعور ہوا کہ نفس ہی کو احادیث میں قلب کہا گیا ہے۔

عزادار۔ بھائی صاحب! شعور کے متعلق آپ نے کچھ نہ بتایا اس کو میں اچھی طرح نہ سمجھا۔

عارف۔ میں نے تو اچھی طرح وضاحت کر دی۔ اب بھی آپ کو شعور حاصل ہو تو تعجب ہے۔ خیر اگر آپ اور وضاحت چاہتے ہیں تو سنئے۔ مگر یہ چیز ایسی ہے کہ جب تک آپ غور نہ کریں گے آپ اس کو سمجھ نہیں سکتے اور آپ کو شعور کا شعور حاصل نہ ہوگا۔ دیکھئے۔ میں کہتا ہوں۔ ”گنجین“۔ آپ کے نفس پر اتنا بھی اثر نہ ہو اتنا کہ کھٹکے کا یعنی ایسی آواز کا جو ایک چیز کے دوسری پر گرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ کوئی اثر آپ کے نفس نے اس کا قبول کیا یا نہیں؟

عزادار۔ نہیں بالکل نہیں۔ بلکہ یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سُنا ہی نہ تھا۔

عارف۔ اچھا سنئے! گنجین پن انجن میں ایک پرزہ ہوتا ہے۔ اب میں کہتا ہوں ”گچیں“۔ اب آپ کے نفس پر کچھ نہ کچھ اثر ہوا۔ کچھ نہ کچھ سمجھ میں آیا اب

اس دفعہ وہ سنی ان سنی کیفیت پیش نہ آئی۔ اب اور مثال لیجئے۔ میں کہتا ہوں "مرکل"
بتائیے کچھ شعور ہوا؟

عزادار۔ کچھ نہیں۔ ایک کان سے پڑا دوسرے سے نکل گیا۔

عارف۔ "مرکل" برما میں ایک پھل ہوتا ہے۔ اب پھر سنو "مرکل" کو اب کیا ہوا؟
عزادار۔ ہاں اس مرتبہ پہلے سے کچھ زیادہ اثر ہوا۔ ایک غیر معین پھل کی تصویر

سینہ میں بنی۔

عارف۔ یہ پھل گول لمبوترہ لانبے خربوزے کی شکل کا ہوتا ہے۔ بڑا ہی شہاب

اب سنو "مرکل" اب کیا ہوا؟

عزادار۔ ہاں اب پہلے سے بہت زیادہ اثر ہوا سینہ کے اندر ایک تصویر بنی۔
عارف۔ اس پھل کے اندر سے زردی مائل گولے اندر سے سے ذرا بڑے نکلتے
ہیں جس کے اندر سے سیاہ ننگ کے بیج چھوٹے میر کی برابر نکلتے ہیں جیسے کہ شریفہ کے
بیج۔ اب سنو "مرکل"

عزادار۔ ہاں اب اس کے سننے سے پہلے کی نسبت بہت زیادہ اثر ذہن پر پڑا،
عارف۔ اچھا اور سنو، اس کے گومے کا ذائقہ بالکل بڑھل کا سا ہوتا ہے ٹھانی
بجلی ویسی ہی ہوتی ہے اور ہیک بھی اسی کی مثل۔ اب سنو مرکل اب بتاؤ۔

عزادار۔ ہاں اب پہلے سے بہت زیادہ اثر ہوا۔ ساری باتیں نفس پر نمایاں ہو گئیں
عارف۔ اچھا اب میں کہتا ہوں "بادام"۔ اس کے سننے سے آپ کے نفس میں
ساری کیفیات بادام کے متعلق یعنی اس کی شکل و صورت۔ چھلکا گری۔ گری کے اوپر کا چھلکا
اس کا توڑنا۔ اور توڑنے کا طریقہ۔ گری نکالنا۔ کسی بادام سے دو گریوں کا نکلنا گری کو جھگو کر
چھلکا اتارنا۔ اندر کے مغز کے دو حصے باہر سے فیم گول اندر سے چٹنی طرح اور سفید رنگ ہونا
سب کچھ دفعہ بجلی کی چمک کی طرح ذہن میں آگئے اور اس کے ساتھ ہی نہایت خفیف

اس کے ذائقہ کی کیفیت بھی محسوس ہوئی جو اس قدر خفیف ہے جس کا تپہ بھی نہیں چلتا۔
 کو شور کہتے ہیں۔ مگر یہ بھی شعور تام نہیں (یعنی وہ پورا پورا شعور جیسا کہ ہونا چاہئے نہیں)
 جو کیفیت نفس پر اس وقت وارد ہوتی ہے جبکہ مغز بام کا ذائقہ زبان اور تالو سے چکھ
 رہے ہوں۔ وہ کچھ اور ہوتی ہے۔

پس اگر وہ کیفیت بھی ان تمام تفصیلی کیفیات کے علاوہ جو اوپر بیان ہوئیں نفس پر
 تمام و کمال وارد ہو جائے تب شعور تام ہوگا۔ اور یہ کیفیت شعور ہر شخص میں ایک جیسی
 نہیں ہوتی۔ ایک ضعیف شعور نفس پر بادام سننے سے صرف اس کی صورت اور مغز کا تصور
 ہوتا ہے۔ جیسا جیسا شعور نفس میں بڑھتا جائے گا بادام سننے سے اس کی کیفیات اس
 بڑھتی جائیں گی۔ یہاں تک کہ جس کا نفس شعور تام حاصل کئے ہوگا۔ اس پر تمام و کمال
 کیفیات مع احساس ذائقہ طاری ہو جائیں گی۔ اور اگر شعور تام منزل کمال کو پہنچ جائے
 تو صرف لفظ بادام سننے سے مذکورہ بالا کیفیات کے علاوہ جتنی باتیں اس نے بادام
 کے متعلق سنی ہوں گی جیسے کہ کسی شخص نے اس کے سامنے اپنے بادام استعمال کرنے کا بھی
 ذکر کیا ہو۔ اس کے فوائد سنائے ہوں۔ کوئی واقعہ بیان کیا ہو غرض کہ سننے دیکھنے چکھنے
 کے ذریعہ سے قبلا بھی بادام کے متعلق۔ بادام کے ذکر کے ساتھ اپنی تمام عمر میں اس کو
 معلوم ہو چکا ہے وہ تمام و کمال برقی لہر کی طرح نفس پر وارد ہو جائیگا۔ یہ شعور
 کی منزل کمال ہے۔

اب بھی آپ سمجھے علی کس طرح اتنی جلدی پورا قرآن ختم کر لیتے تھے کہ گھوڑے
 پر سوار ہوتے وقت رکاب میں ایک پیر رکھنا شروع کیا اور دوسری رکاب میں اپنے سر
 پہلے تمام قرآن ختم کر لیا۔ سمجھے شعور ہوا۔ اس کو کہتے ہیں شعور!

اب ذرا اس پر بھی غور کیجئے تمام لوگوں کے نفسوں کی طاقت ایک جیسی نہیں
 ہوتی۔ جو بے ہوشان نفس ہے (لا شعور محض ہے) اس کو کسی چیز کا نام سننے سے خفیف سا

از محسوس ہوتا ہے۔ وہ حالت ہرگز نہیں ہوتی جو اس کے دیکھنے سے ہوتی ہے مگر جن کو کچھ شعور ہو جاتا ہے ان پر سننے سے بھی وہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو دیکھنے سے ہوتی ہے اور اسی طرح منازل شعور میں ترقی ہونے کے باعث کیفیت احساس بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال سنئے! ایک شخص ہمارے سامنے کہتا ہے "کافذی لیموں" ہیں کچھ شعور ہوتا ہے۔ مگر کافذی لیموں دیکھ کر کچھ اور حالت طاری ہوتی ہے جو سننے سے نہ ہوئی تھی۔ پھر اگر کوئی ہمارے سامنے لیموں تراشے تو کچھ اور کیفیت نفس پر طاری ہوتی ہے اور ذرا ذرا منہ میں پانی بھر آتا ہے اور اگر کوئی شخص ہمارے سامنے لیموں چوسے تو اس وقت جو کیفیت وارد ہوتی ہے وہ کچھ اور ہی ہوتی ہے منہ میں پانی خوب بھر آتا ہے اور اگر کچا آم ہمارے سامنے کوئی کھائے تو پھر بریاں آنے لگتی ہیں۔ یہ ہیں شعور کے منازل۔ اب بھی سمجھ میں آیا؟ مگر یہ بھی شعور تام نہ ہوا۔

اب بھی آپ سمجھے کہ ایمان اور نفاق میں کیا فرق ہے۔ خدا اور رسول۔ پیامت آل رسول۔ علی۔ حنین۔ ان الفاظ کے سننے سے آپ کو کیا شعور ہوتا ہے اور اگر شعور نہیں ہوا تو زبانِ مامنے کو ایمان نہیں کہتے۔ قرآن نے جگہ جگہ منافقوں کے لئے یہی کہا ہے کہ ان کو شعور نہیں۔ وہ شعور نہیں رکھتے لہذا ثابت ہوا کہ لاشعوری کو ہی نفاق کہتے ہیں۔

ایمان تو تب ہی حاصل ہوتا ہے کہ جب تمہارا بہت شعور حاصل ہونے لگے جس کی علامت قرآن نے یہی بتلائی ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِذَا ذُكِّرَ اللّٰهُ وَجِلَّتْ اَنْفُسُهُمْ لَعْنَةُ لَعْنَةِ سَوَاءٍ اس کے نہیں کہ مومن وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جائیں۔ یہ کم سے کم ایمان ہے۔ اگر اتنا بھی شعور کسی کو حاصل نہ ہوا تو وہ مومن ہرگز نہیں ہے بلکہ منافق ہے۔

اب آپ اپنے نفس کی حالت پر غور کریں کہ جو حالت آپ کے نفس پر علی اور

حین بننے سے ہوتی ہے محمد اور اللہ سننے سے نہیں ہوتی اور اسی طرح اور ان کے
 کے اسماء سے اور ان کے ذکر سے نہیں ہوتی۔ یہ کیا ہے صرف زبانی مانا ہوا ہے۔
 شعور یا کل نہیں۔ اگر شعور پیدا ہو جائے تو جس خلیقۃ اللہ یا اللہ کا نام ہمارے
 سامنے لیا جاوے گا قلب لرزے گا۔ اور خاص کر جب امام عصر کا ذکر ہوگا تو دل بڑھ
 اور ان تمام چودہ معصوموں کے اسماء میں کوئی فرق دل کو محسوس نہ ہو۔ اس وقت
 سمجھیں کہ ایمان کی طرف ہمارا رخ پھر ہے اور راستہ نظر آ گیا ہے۔ اس کے بعد بقا
 شعور بڑھتا جائے گا اتنا ہی ایمان بھی بڑھتا جائے گا۔ اب آپ سمجھے کہ ایمان کیا
 ہے اور شعور کیا ہے اور نفاق لا شعوری کس کو کہتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ قرآن نے
 جگہ جگہ غیر مومن کو میت کہا ہے یعنی اس کا نفس لا شعور ہے اور یہ کہ وہ تاریکیوں
 میں ڈرے ہوئے ہیں کبھی اس سے نکلنے والے نہیں۔ سمجھے جناب اودہ تاریکی لا شعوری
 کی تاریکی ہے کہ اندھیری کو ٹھہری کا اندھیرا نہیں ہے۔ اب جبکہ آپ نے یہ سمجھ لیا
 کہ شعور کس کو کہتے ہیں تو ذرا بتلایئے کہ قرآن کے ایک لفظ کی بھی حقیقت بیان
 کرنا کیسے ممکن ہے

عزادار۔ نفاق کو تو میں خوب سمجھ گیا مگر یہ بتلایئے کہ آپ نے کافر کا لفظ کس
 وجہ سے استعمال کیا؟

عارف۔ میں اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کہتا یہ تو قرآن کہتا ہے اور حدیث
 کہتی ہے۔ دیکھو قرآن زینت الدین کفر و النجوة الدنیا (دنیا گانی دنیا کا پروردگار
 کی نظر میں زینت دی گئی ہے) اور حدیث رسول ہے من تشبہ یقوم فہو منہم
 (جو کسی قوم سے مشابہ ہو وہ انہی میں سے ہے) اب آپ ہی بتلایئے کہ جب تک دنیا
 دنیا کی زینت ہماری نظر میں باقی ہے ہم بھی کافروں کی مشابہت کے سبب کافر ہیں
 اب آپ سمجھے کہ خدا کو ماننے۔ رسول کو ماننے۔ آل رسول کو ماننے اور تمام دیگر ضروریات

دین کو ماننے سے پہلے تو ماننے والا کفر ظاہری سے نکلتا ہے۔ یہ ماننا صرف زبانی ماننا ہوتا ہے کسی چیز کا بھی اس کو شعور نہیں ہوتا اور کفر باطن سے بھی نہیں نکلتا۔ اگر اپنے باطنی کفر کا شعور ہو جائے تب تو اس سے نکلنے کی کوشش بھی کرے ورنہ ہمیشہ اسی میں گرفتار رہے گا۔

عزادار۔ اچھا صاحب آپ نے ہم کو کافر تو بنا دیا مگر شرک کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟
عارف۔ یہ فرمایئے کہ جو لا الہ الا اللہ پر عامل ہو وہ کون ہے؟
عزادار۔ یہ جناب عامل ہونا کیا معنی۔ لا الہ الا اللہ تو کہا جاتا ہے یہ کوئی حکم تو نہیں جس پر عمل کیا جائے۔

عارف۔ سبحان اللہ ابھی تو آپ کو اس کا بھی شعور نہیں کہ لا الہ الا اللہ کرنے کی چیز ہے۔ کہنے کی نہیں۔

عزادار۔ آپ کی باتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ لا الہ الا اللہ کرنا کیسا؟ ہا ہا ہا
عارف۔ بھائی آپ ہنسیں نہیں بلکہ اس پر غور کریں کہ ایک شخص بتوں کی پوجا بھی کرتا ہے اور لا الہ الا اللہ بھی کہتا ہے وہ مسلمان ہے یا مشرک؟
عزادار۔ وہ جناب ایسا شخص کیسے مسلمان ہو سکتا ہے وہ تو مشرک ہی ہے
عارف۔ آپ خود ہی تو فرما رہے تھے کہ لا الہ الا اللہ کہا جاتا ہے کیا نہیں جاتا آپ کی سمجھ میں آیا کہ خدا کے سوا اور معبودوں کی عبادت کو علی طور پر ترک کر کے صرف اللہ کی بندگی کرنا اور صرف اسی کی عبادت کرنا لا الہ الا اللہ کا علی طور پر کہنا ہے۔ جو شخص لا الہ پر عمل کر لے وہ لا الہ الا اللہ کہ سکے گا ورنہ اپنے قول میں جھوٹا اور منافق ہوگا اور شرک باطنی میں مبتلا رہے گا۔

عزادار۔ ہاں یہ تو درست ہے لا الہ الا اللہ پر واقعی عمل کرنا لازم ہے شکر ہے ہم تو لا الہ الا اللہ پر عمل کرتے ہیں۔

عارف۔ ہاں صاحب آپ تو پورے پورے عامل ہیں ہی۔ فرمایا تو بتلادیکھئے اللہ کے معنی کیا ہیں؟

عزادار۔ اللہ کے معنی معبود۔

عارف۔ معبود کے معنی کیا ہیں؟

عزادار۔ معبود وہ جس کی عبادت کی جائے۔

عارف۔ عبادت کیا ہوتی ہے اور اس کے معنی کیا ہیں؟

عزادار۔ سجدہ کرنا یا ماتھا ٹیکنا۔ رکوع کرنا اور سارے احکام بجالانا۔

عارف۔ اچھا اگر اللہ کے معنی یہی ہیں کہ اس کے آگے سجدہ کیا جائے رکوع کیا جائے وغیرہ وغیرہ تو کیا کوئی شخص اپنے نفس کے جذبات کو سجدہ کرتا ہے یا خود آپ نے کبھی سجدہ یا رکوع کیا ہے؟

عزادار۔ نہیں، کبھی نہیں۔

عارف۔ اچھا تو پھر آپ اس آیت کا کیا مطلب سمجھتے ہیں اُرَاٰتِ مَنِ اتَّخَذَ الْاِلٰهَ هَوٰٓاۃً (کیا تو نے اس کو دیکھا ہے جس نے اپنے جذبات کو اپنا الہ بنایا ہوا ہے۔ اللہ کے جو معنی آپ نے بیان کئے کیا وہ یہاں صادق آسکتے ہیں؟

عزادار۔ نہیں۔ وہ معنی تو یہاں مناسب نہیں معلوم ہوتے۔

عارف۔ بھائی صاحب یہی تو میں کہتا تھا کہ آپ کو لا الہ کے معنی بھی معلوم نہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے معنی "مطلق مطلق" ہیں۔ وہ ہستی جس کے حکم پر بے چون و چرا اور بے سوچے سمجھے عمل کیا جائے اللہ ہے۔ اب بھی آپ سمجھے کہ ہمارے لئے ہمارے خواہشات و جذبات ہی اللہ ہیں۔

ایک مثال سے یہ بالکل واضح ہو جائے گا دیکھئے کسی شخص کو خواہش پیدا ہوئی کہ وہ کباب کھائے تو کیا رہ کبھی بھی اس پر غور کر گیا کہ میں کباب کیوں کھاؤں۔ کباب

کھانے کی کیا ضرورت ہے۔ کباب کھانے سے کیا فائدہ ہے؟ آپ ہی بتلایے!
عزادار۔ نہیں ہرگز نہیں، وہ کبھی اس پر غور نہ کرے گا۔

عارف۔ جی ہاں درست فرمایا وہ تو صرف اسی پر غور کرے گا اسی کو سوچے گا کہ
میں کباب کیسے کھاؤں۔ کباب کھانے کی کیا تدبیر کروں۔ یہاں تک کہ اگر ممکن ہو اتو
کھالے گا۔ اب بھی آپ سمجھے یا نہیں کہ جب تک خواہشات و جذبات کے بیچون و
چراغی کرنے کو آدمی زندگی کا مقصد بنائے ہوئے ہے اس نے لا الہ الا اللہ پر پورا عمل
ہی نہیں کیا اور جب عمل ہی نہ کیا تو اشہد ان لا الہ الا اللہ کی دل سے تصدیق نہ کی
پس جب تک دل سے تصدیق نہیں مومن نہیں بلکہ منافق ہے اور جب لا الہ الا اللہ
ہی پر ایمان نہ لایا تو محمد رسول اللہ کہنے سے مومن کب ہو سکتا ہے اور علی ولی اللہ
کہہ لینے سے مومن کہاں بن سکتا ہے۔

اب آپ ہی فرمائیں کہ خود آپ ہی نے جو بارہ شرائط پیش کی تھیں جن کے موجود
ہوتے ہوئے حسین پر رونے سے جنت واجب ہو جاتی ہے ان میں سے کون سی شرط
پر آپ پورے اترے اور جب آپ ان میں سے ایک شرط بھی پوری نہیں کر رہے
تو یہ شیطان کا دل میں حلول کر رہا ہے یا نہیں کہ اس نے یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ تم
پر جنت واجب ہو چکی ہے پھر کچھ کوشش کرنے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی۔

غور کرو اور سوچو کہ انسانیت اور حیوانیت میں کیا فرق ہے۔ حیوان کو صرف
خواہشات و جذبات دیئے گئے ہیں اس کو گھاس نظر آئی اور خواہش ہوئی کہ گھاس
کھائے اسی وقت خواہش کی تعمیل کرے گا۔ بازار میں دکان پر غلہ نظر آیا خواہش ہوئی
کھانے لگا۔ دکاندار نے مارا۔ اذیت پہنچی۔ ہٹ گیا اور پھر اسی طرف منہ بڑھایا
جب اس نے ڈنڈا لیکر تعاقب کیا تو خوف پیدا ہوا بھاگا۔ پھر لوٹ آیا۔ اس وقت
اگر دکاندار کو دکان پر نہ دیکھا۔ پھر منہ ڈال دیا۔ مگر جب دور سے وہ ڈنڈا ہاتھ میں

لئے نظر آیا خون طاری ہو گیا وہاں سے بھاگ گیا۔ وہ کسی جذبہ یا خواہش کے متعلق
غیر ذوق نہیں کر سکتا کہ وہ یہ کام کیوں کرے۔ تمام حیوانات اپنی خواہشات و جذبات
کی تسکین دے لینے اور تشفی کر لینے پر ہی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر انسان بھی ایسی
حالت میں ہو کہ وہ صرف خواہشات و جذبات کی تشفی اور تسلی کر لینے پر ہی زندگی
گزار رہا ہو اور اسی کو مقصد زندگی سمجھا ہو، تو وہ چوپاؤں کی مثل ہے۔ افسوس
کہ وقت میں بالکل گنجائش نہیں درنہ اس کی تفصیل بیان کرتا۔ یہاں صرف دو مثالیں
ہی کافی ہیں۔

(۱) غصہ ہی کو دیکھئے۔ اکثر بچے ماں باپ کے غصہ کا شکار ہوتے رہتے ہیں ماں
غصہ آیا مار لیا۔ باپ کو غصہ آیا مار لیا۔ بھلا غور تو کریں غصہ تو دشمن کے مقابلے کو
لئے دیا گیا تھا۔ یہاں وہی حربہ دوست پر استعمال ہو رہا ہے۔ بچہ ایک قابل رحم
نادان ہستی اور اس پر والدین کا غصہ۔ اس پر تو غصہ آنا ہی نہیں چاہئے بلکہ جب
بچہ کوتاہی کی ضرورت کا حکم عقل کی عدالت سے صادر ہو تو بتاؤنی غصہ سے اس
کی حسب ضرورت تادیب کر دینی چاہئے ورنہ جذبات پرستی ہے۔

(۲) جذبہ جنسی کا استعمال اگر عقل کے حکم سے محض بغرض حصول مقصد ہو تو با
عظیم ہے اور اگر بغرض حصول حظ نفسانی اور بغرض تسکین شہوت جسمانی ہو
تو پیروی جذبات ہے۔

پس اگر انسان بھی محض تسکین جذبات کو ہی مقصد حیات بنائے ہوئے ہے تو اس
میں اور حیوان میں کچھ فرق نہیں۔ اسی کو قرآن کہتا ہے وَاللّٰی نَبِّیُّنَ کَلَّمَ فَاِذَا مَسَّوْا
وَنَاکَلُوْا کُلَّ لَآئِعَامٍ وَّالنَّاسُ مَثُوْا اَکْھَرُ اور جو لوگ روگرداں
ہیں وہ فائدہ توڑا اٹھاتے ہیں یعنی زندگی دنیا سے مستفید ہوتے ہیں وہ اسی
طرح کھاتے ہیں جیسے کہ چوپائے کھاتے ہیں اور آتش جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہے

اور دیکھئے اِنَّهُمْ اِذَا كَانَا لِنَعَامِ بْنِ هُذَافٍ قَتْلُ سَبِيلًا (نہیں ہیں مگر شل چوپاؤں کے
 بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ گمراہ) اب غور فرمائیں کہ حدیث و من تشبہ بقوم فهو
 منهم کی رو سے ہم چوپاؤں اور کافروں میں سے ہو جاتے ہیں اور حدیث بالاکئی تائید
 قرآن بھی کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اَلَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدِّينَ اِجْتِرَاحًا وَ السَّيِّئَاتِ اَنْ
 يَّجْعَلُوهُمُ كَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدِّينَ اٰمَنُوْنَ وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ سَوَآءٌ مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ
 سَاَعَتْ مَا يَجْمَعُوْنَ ۝ (کیا وہ لوگ جنہوں نے برائیاں کمائی ہیں یہ گمان کرتے ہیں
 کہ ہم ان کو ان کی مثل قرار دیدینگے جو ایمان لائے اور عمل صالح بجالائے کہ ان کی
 زندگانی دنیا اور موت یکساں ہو جائیں یا ایک جیسی ہو جائیں۔ یہ کیا ہی برا حکم نکالتی
 ہیں) اب بھی ملاحظہ فرمایا کہ رسول و آل رسول کا مشن عربی فارسی میں کچھ چھو منترج
 سکھا دینے کا نہ تھا۔ بلکہ ان کا مشن یہ ہے کہ آدمی کو جو حیوان محض اور جذبات و خواہشات
 کا پتلہ ہے جو انیت سے نکال کر انسانیت میں لائیں اور شعور مجسم اور عقل سلیم بنادیں
 اور جب ایسا ہو جائے گا تو اس کا ہر کام عقل کے حکم سے حصول مقاصد کے لئے ہوگا نہ کہ
 تسکین جذبات کی خاطر۔

یہ ضرور ہے کہ اظہار اسلام سے انسان جماعت اسلامی میں داخل ہو جاتا ہے
 مسلمان ہو جاتا ہے مگر شرک باطنی اور نفاق لا شعوری سے نہیں نکلتا۔ ایمان لانا
 تو ایک مشکل کام ہے وہ تو اطاعت خدا اور رسول کرتے رہنے سے تدریج حاصل
 ہوتا ہے۔ لیکن وہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کو اپنے شرک باطنی کا شعور ہو
 اور اس کا شعور ہو جانا ہی نفاق سے نکلنا ہے۔ جس قدر شرک میں تخفیف ہوتی جاتی
 ہے اور نفس کے جذبات کا جوش کم ہوتا جاتا ہے اتنا ہی توحید کا شعور بڑھتا جاتا ہے
 اور اسی قدر ایمان بھی قلب میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ اگر نفس کی پوری طاقت ہو جائے اور
 فکر باطنی باقی نہ رہے تو ایمان بھی کامل ہو جاتا ہے اب تو شرک بھی ثابت ہو گیا۔

عزادار۔ یہ تو تمام رہبانیت کی تعلیم معلوم ہوتی ہے بھلا دنیا ترک کئے بغیر نفس کٹی کس طرح ہو سکتی ہے اور دنیا کے تمام کاروبار کا انحصار خواہشات و جذبات ہی پر ہے جب یہ نہ رہیں تو انسان دنیا کے کس کام آسکتا ہے؟

عارف۔ بھائی صاحب اگر خواہشات و جذبات ہی پر دار و مدار حیات دنیا آپ سمجھ رہے ہیں تو وہ تو ایک گدھے میں بھی ہیں۔ پھر فرمائیے کہ ایک گدھا دنیا کی رونق بڑھائے۔ اس کو آباد کرنے اس میں امن قائم کرنے کے لئے زیادہ مفید ہے یا آدمی؟ عزادار۔ آپ کی باتیں بھی عجیب ہوتی ہیں بھلا گدھا کیا کام کر سکتا ہے۔

عارف۔ بس اب سمجھ لیجئے کہ بندگان جذبات کو قرآن گدھوں سے بدتر کہتا ہے اور صاحب شعور اور اہل ایمان انسان ہوتا ہے۔ اب بھی آپ سمجھے کہ خدا و رسول اور آل رسول چاہتے ہیں کہ یہ دنیا کے انسان نما حیوان جو گدھوں سے بدتر ہوتے ہوئے دنیا کی رونق قائم کئے ہوئے ہیں انسان بن جائیں تاکہ دنیا کو جنت بنادیں۔ خاک میں نور چمکا دیں۔

عزادار۔ مجھ کو تو یہاں ایک شک پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام خواہشات فطری ہیں۔ ان کی تسکین کی خواہش بھی فطری۔ پس خواہشات و جذبات کی تسکین نہ کرنا غیر فطری معلوم ہوتا ہے اور اسلام دین فطرت ہے کسی غیر فطری امر کا اسلام حکم نہیں دیتا لہذا خواہشات و جذبات کی تسکین نہ کرنا اسلام کا حکم کیسے ہو سکتا ہے اور آدمی کے لئے یہ ممکن بھی کب ہے کہ وہ خواہشات و جذبات کو مٹا سکے خود جناب باری تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا اور آپ جو کچھ بیان کر رہے ہیں نفس انسانی کی وسعت سے باہر ہے لہذا یہ اسلام کی تعلیم کیسے ہو سکتی ہے ہم کو تو محبت الطہیت اور حسین پر رونا ہی نجات کے لئے کافی ہے۔

عارف۔ پیارے بھائی! یہ تو سب نفس کی خود دلوی ہے بار بار اس بات

کی تکرار کئے جاتا ہے۔ حسین پر رونے کی شان آپ کو دکھلا چکا ہوں مگر نفس نے پھر وہی آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ اب اس پر بھی غور کیجئے کہ جو حسین پر رونے کا اس پر خبت واجب ہو جائیگی۔ جس کی علامت آرزوئے موت ہے۔ لہذا جس شخص میں علامت وجوب جنت (یعنی آرزوئے موت) پیدا نہ ہو وہ اگر مہین پر رونے کا دعویٰ کرے تو یقیناً جھوٹا ہے اور اگر وہ اپنے کو سچا سمجھے تو محمد و آل محمد کی تکذیب کرتا ہے نفس انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہو ہی نہیں چاہتا اور ہمیشہ بہانے تلاش کیا کرتا ہے۔

اور نفس کشی کو جو آپ خلاف فطرت کہہ رہے ہیں اس کے متعلق بھی آپ پر واضح ہو جائے گا وہ فطری ہے یا غیر فطری۔ اسلام جو نفس کشی سکھاتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے خواہشات و جذبات جو فضا کے اثر اور جہالت کی نجاست سے مسخ ہو جاتے ہیں ان کو حیات نو عطا کر کے صحیح اور حقیقی بنا دیا جائے۔ وہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ خواہشات و جذبات کا جوش مٹا دیا جائے تاکہ ان کی بیخون و چرا تعمیل پر انسان مجبور نہ ہو بلکہ عقل کی روشنی میں اور عقل کے حکم سے کام لے سکے اس کی ایک مثال بھی سن لیجئے۔ بچہ سے دریافت کریں تو اچھا یا فلاں شے وہ کہیگا میں اچھا۔ اسی طرح دنیا کی ہر چیز کے متعلق دریافت کر لیں۔ وہ یہی کہتا ہے گا میں اچھا لہذا فطرت صحیح تو یہ ہے کہ آدمی سب سے اچھا بنے اور اچھا رہنے کی کوشش کرے مگر فضا کی نجاست سے یہی خواہش مسخ ہو کر اچھا سمجھے جانے کی خواہش میں تبدیل ہو جاتی ہے یعنی اس کو صرف یہ خواہش رہ جاتی ہے کہ دنیا بھلو اچھا سمجھے۔ اسی طرح تمام خواہشات و جذبات کا حال ہے اب بھی آپ سمجھے کہ یہ رہبانیت کی تعلیم نہیں ہے بلکہ عین فطرت ہے۔

اب رہا آپ کا دعویٰ محبت الہیت۔ اول تو پہلے ہی دکھلا چکا ہوں کہ یہ

دعویٰ تکذیبِ اہلیت کے مرادف ہے۔ دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں مگر مزید تفسیر کے لئے اب اس کا آئینہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ محبت کی تفصیل تو بعد میں بیان کروں گا پہلے صرف اس پر غور کیجئے کہ جب کسی محبوب کی مصیبت اور تکلیف کا حال آپ سنتے ہیں تو دل پر چوٹ لگتی ہے غم کی کیفیت نفس پر طاری ہو جاتی ہے۔ آلِ سول نے جو مصائب برداشت کئے اور مصیبتوں کے پہاڑ سریر اٹھائے اس کا مقصد تو یہ تھا کہ دنیا کے قلوب کو غم سے متاثر کر دیں۔ دلوں میں درد پیدا ہو جائے اگر آپ غور کریں گے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ آپ کا دعویٰ محبتِ اہلیت محض نفس کا دھوکہ اور وسوسہ شیطانی ہے۔ اب اس پر غور فرمائیے کہ جس کو اہلیت سے محبت ہوگی اس پر ان کے مصائب سن کر غم کی کیفیت کا طاری ہو جانا لازم ہوگا۔ اب آپ اس پر غور کریں کہ مصائبِ اہلیت سننے سے آپ کے نفس پر غم کی کیفیت طاری ہوتی ہے یا نہیں؟

عزادار۔ کیوں نہیں پیدا ہوتی۔ ہم تو جب مصائبِ اہلیت سنتے ہیں دل پر چوٹ لگتی ہے۔ غم کا اثر ہوتا ہے اور روتے ہیں۔ کیا دل پر اثر ہوئے بغیر کوئی سکڑا عارف۔ سبحان اللہ کیا کہنا آپ کے غم کا! یہی تو میں عرض کرتا ہوں کہ فیضانِ دل نے حلوں کر کے نفس کی گہرائی میں یہ خیالات ڈال دیئے ہیں اسی وجہ سے آپ کو بھی غم حسین میں مبتلا ہونے کا یقین ہے لہذا نفس کبھی غور نہیں کرنے دیتا اور گمراہی اور ہلاکت میں پڑا ہوا ہے۔

عزادار۔ آپ بھی عجیب حضرت ہیں۔ بھائی صاحب یہ جو ہم مجالس میں سنتے ہیں یہ غم میں نہیں روتے تو کیا خوشی میں روتے ہیں؟

عارف۔ خدا کرے کہ آپ حسین کے غم میں مبتلا ہوں۔ انہوں نے کسکنا یہ یقین کہ ہم محرم میں غم حسین میں مبتلا ہوتے ہیں اس بات کی اجازت ہی نہیں

دیتا کہ آپ اس امر پر غور کریں کہ غم ہوتا کیسا ہے اور اس کی کیفیات فطری کیا ہوتی ہیں
 لیجئے سنئے اور اپنے نفس سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی فطری کیفیات سے جو فطرت اللہ
 ہیں ملاتا جائے تاکہ آپ کا نفس حالت شعوری میں میرے اقوال کی تصدیق کرے
 ملاحظہ فرمائیے اور غور کیجئے علم کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ غم انگیز خبر سن کر
 دل پر چوٹ لگتی ہے۔ دل پھوٹتا محسوس ہوتا ہے (حالانکہ حقیقتاً کچھ سکڑتا ہی ہے)
 دل کے اندر ایک خلا محسوس ہوتا ہے جس سے فوراً دل ٹڑپنے لگتا ہے اور سخت اضطراب
 نفس کو لاحق ہوتا ہے۔ کیوں جناب کچھ شعور ہوا۔ یہی ہیں نا غم کی کیفیات! حضرت
 دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہو سکتا جس کا کوئی عزیز ماں۔ باپ۔ بھائی۔ بہن بیٹا
 بیٹی یا کوئی سن یا دوست مرانہ ہو یا کوئی مالی نقصان نہ پہنچا ہو۔ یا کسی امید کے پورا
 نہ ہونے سے کبھی غم میں مبتلا نہ ہوا ہو۔ لہذا لازمی ہے کہ غم کے وارد ہونے سے جو
 کیفیت پیدا ہوتی ہے اس پر غور کر لے سے دنیا کا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ غم کس کو
 کہتے ہیں۔ نفس کے لئے غم بہت تکلیف دہ جذبہ ہے لہذا نفس کی فطرت ہے کہ اس
 کو دور کرنا چاہتا ہے اور اس کیفیت میں رہنا گوارا نہیں کرتا۔ یہی سبب ہے کہ اپنی
 محبوب چیز کے فزاع ہو جانے پر تھوڑا عرصہ غم کی کیفیت طاری رہتی ہے اور رفتہ رفتہ
 وہ کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو بھول جاتا ہے۔ آپ نے تو آج تک کبھی اس
 بد عود ہی نہ کیا ہو گا کہ غم کے اثر سے نفس انسان پر جو کیفیات طاری ہوتی ہیں ان میں سے
 کوئی ایک کیفیت بھی مصائب طبیعت سننے سے آپ کے نفس پر طاری ہو جاتی ہے یا نہیں
 اب میں آپ کو غم کی کیفیات کی تفصیل سناتا ہوں۔ سنئے!

اگر کسی شخص کا بیٹا، بھائی یا کوئی عزیز مر جائے تو خبر سننے ہی غم کی لہر نفس میں اٹھتی
 ہے اور سوائے رونے کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ اور جب تک وہ لہر ساکن نہیں
 آجاتی وہ کسی طرف توجہ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ پھر وہ غم کی لہر میں تھوڑے تھوڑے

وقفے کے بعد اٹھتی اور ساکن ہوتی رہتی ہیں۔ جتنے عرصہ تک لہر غم جوش پر رہتی ہے
 نفس کسی طرف توجہ کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ یہ لہر تھوڑے وقفے میں ساکن ہو جاتی
 ہے۔ اگر نفس کی یہ فطرت نہ ہوتی تو جو شخص ایک مرتبہ غم میں مبتلا ہو جاتا تمام عمر
 دنیا کا کوئی کام کرنے کے قابل نہ ہوتا۔ لہذا فاطر فطرت نے یہ اصول مقرر کر دیا اور
 نفس کی یہ فطرت عین کر دی کہ ہر جذبہ کی اور خاص کر جذبہ غم کی پہلی لہر شدید ہوتی
 ہے۔ غم کی شدت میں رونے سے اس کو سکون ہو جاتا ہے اس لئے کہ فاطر نے رونے
 میں یہ اثر ڈال دیا اور نفس کو یہ سکھلا دیا ہے کہ غم کی لہر کو رو کر ساکن کر دے۔ پس
 اگر رویا نہ جائے تو غم کی پہلی لہر بہت دیر میں ساکن ہوگی۔ کچھ وقفے کے بعد
 پھر غم کی لہر اٹھتی ہے مگر دوسری لہر پہلی کی طرح شدید نہیں ہوتی۔ اسی طرح تہدیک
 غم کی لہرں ہلکی ہوتی جاتی ہیں اور لہروں کے درمیان کا سکون کا وقفہ برابر بڑھتا
 چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ غم بالکل ناپید ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر پھر کوئی یاد دلانے والی
 محرک چیز سامنے آجائے تو پھر غم تازہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی کا نوجوان فرزند مر گیا۔
 دو مہینہ گز گئے۔ اب لڑکے کا ماموں، خالہ یا کوئی اور عزیز یا دوست ایسا آ گیا جو
 پہلے نہ ملا تھا تو غم تازہ ہو جاتا ہے یا مثلاً متوفی فرزند کی وفات سے چھ ماہ بعد یونیورسٹی
 سے اس کی کوئی سند آگئی غم پھر تازہ ہو جاتا ہے۔ مگر اس شدت کی لہرں کبھی نہ
 اٹھیں گی جو پہلی مرتبہ اٹھی تھیں اب وہ سکون کے وقفے تو غم کی لہروں کے درمیان
 جو سکون کے وقفے ہوتے ہیں ان میں نفس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ دیگر تمام خواہشات
 و جذبات میں سکون ہوتا ہے کسی خواہش یا کسی جذبہ کا زور اور شدت باقی نہیں
 رہتی۔ جوش اور ولولہ مطلق نہیں رہتا اور اسی وقت عقل بھی صحیح کام کرتی ہے
 یعنی کوئی کام انسان خط نفس کے لئے نہیں کرتا ایک پسر مر رہا ہے اس زمانہ
 کے دوران میں جس میں وہ غم میں مبتلا رہتا ہے دنیا کے سارے کام انجام دیتا ہے

گردہ جوش و دلولہ اور انہماک جو دوسروں کو ہوتا ہے اس کو نہیں ہوتا بلکہ دنیا کے سامنے کام محض ادا کئے فرض کے واسطے کرتا ہے۔

بغیر مثال کے کوئی چیز سمجھ میں نہیں آتی لہذا اس تمثیل پر غور کیجئے۔ ایک شخص کا جوان بیٹا مر گیا اور مرنے سے چند روز بعد متوفی فرزند کی بیوہ کے بچہ پیدا ہوا۔ یہ غمزہ باپ فرزند کی نشانی کی پیدائش سے خوش تو ضرور ہو گا مگر غم کے سبب اس کی وہ کیفیت ہرگز نہیں طاری ہو سکتی جو بیٹے کی زندگی میں پوتے کی پیدائش سے ہوتی ہے۔ کچھ کی پیدائش کے متعلق جتنے کام رسوم دنیاوی سے متعلق ہیں، کچھ کا غمزہ و ادا کرنا دنیا کے مطابق ادا کرے گا مگر اس کی نفسانی کیفیت کا اندازہ کوئی شخص بغیر غور کے نہیں کر سکتا۔ اس کے دل میں جوش اور دلولہ مطلق نہ ہو گا۔

میں نے خواہ مخواہ خارجی مثال تلاش کی اور خود آپ کا ذاتی تجربہ آپ کے سامنے پیش نہ کیا آپ خود غور کریں کہ جب آپ کے ملازم محمود خاں کا بیٹا چوری کے معاملہ میں بے قصور ٹوٹ ہو گیا تھا تو آپ کے نفس پر کیا کیفیت طاری تھی۔ جب تک وہ مقدمہ سے بری نہیں ہو گیا آپ سینا بھی نہ جلتے تھے سوائے اس کے کہ جب کبھی دوستوں کا اصرار حد سے زیادہ ہوتا تھا۔ اب آپ غور کریں اور سوچیں کہ اس تمام زمانے میں آپ کے جذبات کے جوش میں کچھ نہ کچھ کمی ضرور آگئی تھی یا دہے نا؟

اب یہ بتلاؤ کہ مدعیان محبت سے یہ نہ کہا جائے کہ اسے دعویٰ دار و اہلیت سے پہلے اتنا متعلق تو پیدا کرو جتنا کہ اپنے خد شکار کر رکھے سے ہوتا ہے اس کے بعد ہی دعویٰ محبت کرنا سہی آپ کو آپ کے غم کا آئینہ بھی دکھاتا ہوں۔

دیکھئے آفتاب کی شعاعیں اگر سیاہ کپڑے میں سے گزر کر جسم تک پہنچتی ہیں تو خیف و محال پیدا ہو جاتا ہے یہی سبب ہے کہ سیاہ لباس محرم میں پہنا جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ اسے فیصدی مرد وزن چکدار اور پر تکلف سیاہ کپڑے پہنتے ہیں اور بجائے اس

کے کہ اُس سے یہ فائدہ اٹھاتے کہ سرورِ نفس دفع ہو جائے اسی کو سببِ زینت بنا کر باعثِ حفظِ نفس بنا لیتے ہیں۔

دیکھو جب مرغوبِ نفس کوئی شے ضائع ہو جاتی ہے۔ کوئی محبوب مر جاتا ہے تو اس کی وفات کی خبر سن کر آپ کو کسی ذاکر یا واعظ کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ آپ کو رولائے اب غور تو کیجئے اگر مادرِ حسین بروزِ حشر آپ سے دریافت کرے کہ جب دنیا میں کوئی صدمہ پہنچتا تھا تو تم کتنے واعظ و ذاکر اس پر لانے کے لئے بلاتے تھے۔ میں نے تو اپنا سارا گھر تمہارے دلوں کو مغموم و محزون نہانے کے لئے قربان کر دیا تاکہ تمہارے گمراہ کن جذبات کا جوش اور ولولہ مٹ جائے مگر تم ایسے شقی القلب تھے کہ تمہارے دل میرے سارے کنبہ کی برہادی پر بھی محزون نہ ہوئے۔ اسے بد بختو! میرے سامنے سے دور ہو جاؤ۔ تو بتلائیے کیا آپ یہ جواب دے سکیں گے کہ اے دخترِ رسول تیرے غلومِ حسین کی قسم ہم خود تو غم کو جانتے ہی نہ تھے کہ وہ کیا ہوتا ہے۔ ہم کو تو ہمارے بابِ داد لانے سارے اعزائے پہلے تمام واعظین نے ہی بتایا تھا کہ غم اسی کو کہتے ہیں جو محرم میں ہمیں ہوتا ہے۔ اب خود ہی غور کر لو کہ تمہارا یہ جواب مادرِ حسین کے لئے قابلِ قبول ہو سکتا ہے یا نہیں۔ غور کر لو اور سوچ لو اور مرنے سے پہلے تسلی بخش جواب تلاش کر لو۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے خود میرزا ذاتی تجربہ اور شاہد ہے بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص کا جوانِ فرزند صاحبِ علم، اخلاقِ حسنہ سے متصف اور ایک اچھی سرکاری ملازمت پر مامور انتقال کر گیا۔ سویم کے جلسہ تعزیت میں چند شعرا نے لکھ کر لائے جو لحاظِ شعریات اسی بلند تھیں کہ اگر وہ مجلس تعزیت نہ ہوتی تو اشعار کی خوبی سے لوگ نہ چین ہو جاتے اور تعزیت و آفریں کا شور بلند ہو جاتا۔ واہ واہ سبحان اللہ کی ہدائے باز گشتِ دور دراز تک گونج اٹھتی مگر اس مجلس تعزیت میں اہل میت کا تو ذکر ہی کیا ہے کسی غیر کو بھی نہیں دیکھا کہ کھڑا ہو کر ناچنے لگا ہو

چاہتا ہوں کہ جب محبت نہیں تو ہم روتے کیوں ہیں۔

عارف۔ آپ نے چونکہ کبھی اس پر غور کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی اس وجہ سے سمجھ میں نہیں آتا دیکھئے میں سمجھائے دیتا ہوں۔ جب کوئی درد انگیز حسرت خیز قصہ یا فسانہ سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو کیا دل پر اثر نہیں ہوتا۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری نہیں ہو جاتے۔ دل بھر نہیں آتا۔ بتلائیے کہ آپ کو اس فرضی نام سے محبت ہوتی ہے یا اس کا غم ستاتا ہے۔

جب کسی تھینر یا سینما میں کوئی درد انگیز یا حسرت خیز منظر دکھایا جاتا ہے تو لوگ دھڑپیں مار مار کر روتے ہیں اور اسی تماشے کو بار بار دیکھنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے یہ محبت ہے یا غم؟

جب کوئی ایسا افسانہ پڑھتے ہیں یا ڈراما دیکھتے ہیں جس میں کسی کے ایشیا کا نثر دکھایا گیا ہو کہ ڈراما کا ہیرو تکلیف اور مصیبت اٹھا کر اپنے جذبات کی قربانی دیکر صداقت پر قائم رہا ہو تو قلب متاثر ہو جاتا ہے دل بھر آتا ہے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ یہ محبت ہوتی ہے یا غم۔

منوہر زہر عشق سن کر سیکڑوں آدمی دھڑپیں مار کر روتے تھے حالانکہ ان کو یہ بھی علم تھا کہ یہ ایک فرضی داستان ہے اس میں کچھ حقیقت نہیں ہے تو کیا ان غموں اسما سے رونے والوں کو محبت تھی یا ان کا غم ان کے دلوں پر چھا جاتا تھا۔ انہیں ہے کہ آپ غور نہیں کرتے کہ اس قسم کا رونا نہ محبت سے تعلق رکھتا ہے نہ غم سے۔

عزادار۔ بھائی اب تو حیرت اور زیادہ بڑھ گئی کہ انسان یا خوشی کے جوش میں رونے لگتا ہے یا غم کے۔ ان کے علاوہ تو اور کوئی جذبہ ایسا ہے یا نہیں جس سے انسان پر رقت طاری ہو سکے۔

عارف۔ لیجئے اس پر بھی غور کیجئے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ نفس

انسان میں ایک جذبہ ہمدردی بھی ہے۔ جب کسی جانور یا آدمی کو تکلیف میں دیکھتا ہے۔ فوراً اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس غریب کی اس وقت کیا حالت ہوگی اور حالت لاشعوری میں بغیر ارادہ کے وہ کیفیت یاد آجاتی ہے جو ان ہی حالت میں مبتلا ہو جانے سے اس کے اپنے نفس پر وارد ہوتی مگر وہ بہت خفیف ہوتی ہے۔ میں نمایاں ہوتی ہے۔ اس جذبہ سے ایک قسم کا جوش دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور ہلکی سی چہن عکس ہوتی ہے جس کو فوراً نفس انسان رد لینے سے دفع کر دیتا ہے۔

جذبہ ہمدردی کا حقیقی مقصد تو یہ تھا کہ انسان دوسرے کو دیکھ کر کوشش کرتا کہ وہی کیفیت جو دوسرے شخص پر طاری ہے اپنے نفس میں پیدا کر لے اگر پوری پوری نہیں تو آدمی۔ تھائی۔ چارم کچھ حصہ تو طاری کرتا مگر چونکہ کیفیات اذیت و غم نفس کو ناگوار ہیں وہ ان سے بھاگتا ہے لہذا ان کو بالارادہ طاری نہیں کرتا بلکہ حالت لاشعوری اور غیر ارادی طور پر جتنا اثر پڑ جاتا ہے اس کو بھی رو کر دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ جذبہ ہمدردی جو اس امر پر مجبور کر رہا تھا کہ اس کیفیت کو اپنے اوپر طاری کر لے۔ اس کی تسلی اور تشفی کے لئے رویتا ہے جس سے اس کے جذبہ لطیف کی تسلی ہو جاتی ہے اور نفس کو حالت لاشعوری میں بہت خط و سرور اس سے حاصل ہوتا ہے۔

فطری ہمدردی کی روزمرہ کی مثالیں ملاحظہ کیجئے۔ اگر ایک شخص جمائی لیتا ہے تو اس کے دیکھنے والے کو بھی جمائی آتی ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص انگڑائی لیتا ہے تو دیکھنے والے پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے یہی قانون نظرت ہے جو اس کا سبب ہوتا ہے کہ اگر کوئی حاملہ عورت وقت ولادت زچہ کے پاس ہوگی تو اس کا نفس بھی فوراً متاثر ہوگا اور اسقاط حمل کا اندیشہ پیدا ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حاملہ عورت کو کو زچہ خانہ میں نہیں جانے دیتے۔

عزادار۔ بھائی یہ تو بڑی حیرت انگیز چیزیں ہیں۔ آدمی ہمدردی میں رہتا
 کیوں ہے اور نفس نے رونے ہی کو جذبہ ہمدردی کی تسکین کا سبب کیوں بنا رکھا ہے؟
 عارف۔ دیکھو نفس انسان کو تالاب یا جھیل تصور کرو جس میں خواہشات
 و جذبات کی لہریں اٹھتی اور بیٹھتی رہتی ہیں جو جذبات ایک دوسرے کے متضاد
 ہوتے ہیں ان کی لہریں بھی متضاد ہوتی ہیں۔ دو متضاد لہریں ایک دوسرے پر اثر
 انداز ہو کر کسی جذبہ کے لہریں بھی جوش نہیں پیدا ہونے دیتیں۔ جس طرح پانی میں
 پتھر پھینکتے ہیں اور وہ پانی کی سطح پر گرتا ہے تو پہلے پانی دبتا ہے اور پھر اچھلتا ہے
 اچھل کر پھر گرجاتا ہے۔ اسی طرح نفس انسان میں بھی رد عمل ہوتا رہتا ہے۔
 بچہ کو دیکھئے جب کچھ ذیر منتہا ہے تو ماں کہتی ہے اب یہ رونے کا فطرت
 نفس یہ ہے کہ مننے سے تھوڑی دیر کا سرور اور اس کے بعد اضمحلال اور کدورت
 پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف رونے سے تھوڑی دیر کا اضمحلال اور اس کے بعد
 سرور پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی نابلس میں آدمی دل کھول کر روتا ہے تو طبیعت کسی
 ہلکی ہو جاتی ہے اور کیسا سرور نفس میں پیدا ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بچہ جب گھنٹہ
 آدھا گھنٹہ ہنستا رہتا ہے تو پھر ایسے کام کرنے لگتا ہے جس سے اس کو منع کیا جائے
 اور روکا جائے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ رونے کا سبب تلاش کرتا ہے بالآخر
 رونے لگتا ہے۔ رو لینے سے وہ کدورت جو مننے سے نفس میں پیدا ہوتی ہے دور
 ہو جاتی ہے اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ یہی فطرت نفس ہے کہ وہ سارے کام حالت
 لاشعوری میں کرتا ہے۔ خود انسان کو یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ میں یہ کام کیوں کر رہا ہوں
 اسی سرور کے حاصل کرنے کی خواہش سے لوگوں کے نفوس حالت لاشعوری میں
 ان کو مجبور کر کے درواغیز اور حسرت خیز ڈرامے یا تماشے دیکھنے کے لئے کشاں
 کشاں لے جاتے ہیں اور یہی حظ حاصل کرنے کے لئے بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں

یہی سرور حاصل کرنے کے لئے صدائیکز اور حسرت خیز افسانے خریدنے اور پڑھنے پر نفس
انسان اس کو مجبور کرتا ہے اور اسی کے ذیل میں پ کی نام نہاد بھاس غزا بھی ہیں
کہ وہاں سرور حاصل کرتے جاتے ہیں۔ درد و غم لینے میں جاتے۔ اسی خوشی کا
اظہار میر وحید صاحب مرحوم نے حالت لاشعوری میں کر دیا ہے چنانچہ اپنے مرثیہ کے
جس کا مطلع ہے صبح کیوں زلزلے میں آج زمیں کر بلا کی ہے۔ آخری بندوں میں

عشرہ محرم کو وداع کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک بند ملاحظہ ہو۔
وا حسرتا کہ شافہ کا ماتم ہوا تمام! آئی خزاں بہار کا موسم ہوا تمام
جس کی خوشی لوں تھی وہ غم ہوا تمام سر میوہ مومنو کہ غم ہوا تمام
آئی اگر اجل تو یہ ماتم یہ غم کہاں
یہ مجلسیں تو حشر تلک ہیں یہ ہم کہاں

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں حضرت میر انیس مرحوم اعلیٰ الشہ مقامہ بھی حالت
لاشعوری میں اسی خط و سرور کا اظہار فرما گئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔
کس غم میں یہ لذت ہو جو اس غم میں سیدہ کو سرور شہ کے ماتم میں ہے
ہر چشم یہ کہتی ہے کھا کر دیر اشک رونے کا مزہ ماہ محرم میں ہے
اگر غم میں لذت ہو اگر قی تو انسان اپنی اولاد کے مرنے کی دعائیں کیا کرتا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حالت لاشعوری میں حقیقت زبان پر آگئی۔ اس لئے
کہ حقیقتنا یہ غم ہے ہی نہیں۔ بلکہ یہ تمام عزاداری باعث حصول حفظ نفس اور ازدیادِ سرور
ہی ہے۔ گویا قتل حسین کی عید ہے۔ سیدہ کے درد و ہک و دھار میں غلج بن کر
میسر ان کریم میں ہفتاں ہوں اور آپ حضرات اس کے تلف اٹھائیں۔ غوشیاں مٹائیں
لفت مال کریں بہاروں کا مزہ لوئیں۔ سینوں کو سرور سے بھریں۔ رونے کے مزے لیں۔
مشق گریش کی تمہیں تیرے لئے عشرہ محرم عید ہر تیرے لئے

عزادار۔ بھائی آپ تو بڑی حیرت انگیز باتیں سناتے ہیں عقل حیران ہوئی جاتی ہے
عارف۔ ابھی آپ نے سنا ہی کیا ہے دیکھئے دل کو ٹھیس لگانے اور جسدِ
لطف پیدا کر کے ہمدردی کو جوش میں لانے کے طریقے سنئے۔

۱۔ دردناک آواز اور دردناک لہجہ جن ذاکرینِ یاد و اظہار کی آواز دردناک
ہوتی ہے اور وہ دردناک لہجہ بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں وہی اچھے ذاکر کہلاتے
ہیں۔ آپ نے تو کبھی غور کیا ہی نہ ہو گا کہ فضائل اور واقعات بیان کرنے کا لہجہ اور
ہوتا ہے اور مصائب سے متاثر کرنے کا سُراور لہجہ اور ہوتا ہے۔ جو شخص اس کو نہیں
جانتا وہ مجلس کو رُلا بھی نہیں سکتا۔ رُلانے کے واسطے آواز میں درد پیدا کرنا اور سُرا
کچھ بند کرنا پڑتا ہے۔ پھر مرثیہ پڑھنے والے کے لئے صحت لفظی بھی ضروری ہے تلاوت
کی توجہ افلاطون کی طرف نہ پھر جائے۔ اب میں آپ ہی سے دریافت کرتا ہوں کہ ایک
شخص جو ذاکری کرنا نہیں جانتا اگر مرثیہ پڑھتا ہے تو رقت نہیں ہوتی مگر اسی مرثیہ کو
جب ایک اچھا فکر پڑھتا ہے تو خوب گریہ ہوتا ہے اور مجلس کامیاب کہلاتی ہے اب
آپ اس پر ہی غور کریں کہ اگر کسی کا کوئی عزیز مر جاتا ہے یا کسی معیبت میں مبتلا
ہوتا ہے۔ تو جذبہ غم کے ہیجان میں لانے کے لئے کسی موثر طریقہ بیان کسی خاص
طرزِ ادائے ضرورت نہیں ہوتی بلکہ محض واقعہ ہو جانا ہی کافی ہوتا ہے۔ خواہ
بیان کرنے والا بچہ ہو یا بوڑھا۔ عالم ہو یا جاہل۔ مرد ہو یا عورت۔ اس کو محض
لفظی ہو یا نہ ہو وہ بول سکتا ہو یا نہ بول سکتا ہو جیسے گونگا کہ وہ مطالب کا اظہار
اشاروں اور کنیالوں ہی سے کر دیتا ہے، بغیر شکہ کچھ بھی ہو مطلب تو یہ ہے کہ نفس
محض واقعہ ہونے سے متاثر ہو جاتا ہے اور یہی علامتِ محبت ہے۔ اسی کو غم کہتے
ہیں۔ اب اپنے نفس سے آپ خود ہی محاسبہ کر لیں کہ آپ کا دعویٰ محبتِ اہلبیت
کہاں تک درست ہے۔ اگر حین سے محبت ہوتی تو کیا زانو پیٹ پیٹ کر لگے اور

جانے والے۔ پسٹور کر سنانے والے۔ دردناک لہجہ بنانے والے ذاکروں ہی کے
 بیان پر وقتے اور سیدھے سادھے لہجہ اور معمولی لفظوں میں واقعات سن
 کر نہ روتے اور اگر آپ یہ کہیں کہ بھائی جب کسی کا ہاپ مرتل ہے تو غم تازہ ہوتا ہے
 اس لئے آدمی بغیر لانے والے کے روتا ہے۔ مگر جب مدت گزر جاتی ہے تو اس کو
 بھول جاتا ہے۔ لہذا بغیر اس کے کہ کوئی پھر اس کو یاد دلائے اور دل کو محسوس لگائے
 وہ شخص نہیں روتا تو جناب عالی! یہ بھی وسوسہ شیطانی ہی ہوگا۔ اس لئے کہ محبت بھی
 تو باقی نہیں رہتی۔ کوئی شخص اپنے گزرے ہوئے دادوں پر دادوں سے محبت کرنے
 کا دعویٰ بھی تو نہیں کرتا۔ آپ تو اہلبیت کی محبت کے مدعی ہیں۔ مگر تبریلا اولی الالباب
 ۲۔ دوسرا طریقہ جذبہ ہمدردی کی لہر پیدا کرنے کا یہ ہے کہ پہلے دلوں میں جوش
 اور ولولہ پیدا کر لیا جائے جو راگ و راگنی۔ تان اور سُر تال اور رسم سے پیدا ہوتا ہے
 شعر میں بھی چونکہ موزونیت اور ترنم ہوتا ہے لہذا اس سے بھی جوش پیدا
 ہو جاتا ہے۔ دیکھئے بچہ کو چٹکیاں بجا بجا کر شہسازائیں تو وہ کودنے
 لگتا ہے اس کے دل میں جوش و ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ طوائف و طرائف
 سننے سے سرور اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح مضمون آفرینی اور نکات لطیفہ
 سے جو جدید ہوں۔ پہلے کبھی نہ سنے ہوں حظ و سرور پیدا ہوتا ہے اور نفس پر
 کیفیت وجد طاری ہو جاتی ہے۔ اخلاق عالیہ اور اتیار کا نمونہ دکھانے اور اس
 کی مرقع کشی کرنے سے بھی یہ حالت طاری ہوتی ہے۔ نفس انسانی ان سے بہت محفوظ
 ہوتا ہے اور کیف و سرور اور انبساط کی کیفیت وارد ہوتی ہے۔ قلوب انسانی میں
 جوش و ولولہ اور نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت ذرا سی محسوس لگنے سے جذبہ ہمدردی
 کی لہر اٹھتی ہے۔ لہذا رقت کا بھی شدت سے ہونا لازمی ہے اس کا کوئی ثبوت
 دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ امر تو کائنات میں فی نصف النہار روشن اور آشکارا ہے

کہ جو شخص علم موسیقی کا ماہر ہوتا ہے وہ جب مرثیہ گاتا ہے تو رقت بہت ہوتی ہے اور میرائیس اعلیٰ الشد مقامہ کے مرثیہ جتنا گریہ ہوتا ہے ۔ دوسرے شعرا کے مرثیوں پر نہیں ہوتا۔ اسی طرح لطیفہ گوذاکر بھی رلانے میں کامیاب رہتا ہے۔ وہ واعظین جو شیریں بیان ہوں۔ باریک اور پُر پطف نکات بیان کریں با فہم طبقہ میں بہت عزت و شہرت حاصل کر لیتے ہیں اور لوگوں کے دلوں پر بادشاہت کرنے لگتے ہیں۔ دلوں سے خراج تحسین اور جیبوں سے خراج نقد وصول کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور ایسے ہی واعظین کو سیکڑوں اور ہزاروں روپیہ مجالس پڑھنے کا دیا جاتا ہے۔ بعض دینے والے تو ایسے ہوتے ہیں جن کے نفوس کو اس بات کا شعور ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے نام و نمود کے لئے اپنی شہرت بڑھانے کے لئے عوام الناس پر اپنا اثر ڈالنے کے لئے اور دوسری مجالس سے بازی لے جانے کے لئے ماہر ذاکریا واعظ کو بلایا تھا۔ ان کا یہ خرچ کرنا تو ظاہر ہے کہ خسر الدنیا والآخرۃ میں شامل ہے ذکر توان لوگوں کا ہے جن کی نیت بد نہیں ہوتی اور یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ ہم منذ حسین خرچ کر رہے ہیں حالانکہ وہ بالکل لاشعوری کی حالت میں ہوتے ہیں۔ مگر حقیقتہً واعظ کا بلانا حصول حفظ نفس کے لئے ہوتا ہے جس کا ان کو شعور نہیں لہذا یہ تمام مصروف بجائے قربتہ الی اللہ قربتہ الی النفس ہی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مضمون آفرینی۔ نکات لطیفہ اور کثرت بکا حصول حفظ نفس کا فریضہ ہیں۔

(۳) ہجو جس شخص سے ہمارے نفس کا کوئی تعلق نہ ہو وہ نفس کے میرے میں داخل نہ ہو یعنی میرا دوست۔ میرا عزیز۔ میرا خاندان اور کوئی شخص اس کی ہجو سنائے تو ہمارا نفس بہت محفوظ ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم کو اس سے کوئی مخالفت یا رنجش بھی نہیں ہوتی۔ اور اگر کسی ایسے شخص کی ہجو ہمارے سامنے بیان کی جائے جس کو ہم اپنا یا اپنے آبا و اجداد کا مخالفت سمجھتے ہوں تب تو حفظ نفس کی کوئی

حد ہی نہ رہیگی۔ مرزا محمد رفیع سودا کے دیوان میں جتنے قصائد بھی ہجو میں ہیں ان کے سننے سے عجیب کیف و انبساط خوشی اور سرور پیدا ہوتا ہے۔ لہذا جو ذاکرین اغیار کی ہجو مجالس میں بیان کرتے ہیں بہت مقبول ہوتے ہیں۔ اسی کے ماتحت دوسرے مذاہب کا رد و ابطال بھی ہے۔ جب دوسرے مذاہب کا ابطال ثابت کیا جا کہ تو نفس کو بہت حظ و سرور حاصل ہوتا ہے۔ میرے مذہب کی محبت کا جذبہ جوش میں آتا ہے اور نفس پھوٹتا ہے۔ میرا مذہب اچھا اور دوسرے کا بُرا۔ یہی سبب ہے کہ مناظرہ بیان کرتے والے ذاکر اور واعظ عوام میں بہت پسندیدہ ہوتے ہیں اس لئے کہ نفس کی کیفیت وجد کے دوران میں جذبہ ہمدردی کو ٹھیس لگانے کے لئے ذرا سا اشدہ کافی ہوتا ہے جس سے بہت حظ نفس حاصل ہوتا ہے۔ اب آپ خود ہی غور فرمائیں کہ یہ غم ہے یا حظ نفس —؟ اب بھی اصلاح کی نظر متوجہ نہ جاتا کہ مادر حسین کو منہ دکھانے کے قابل بن سکو۔

عزادار۔ بھائی جتنا آپ بیان کرتے ہیں۔ اتنی ہی حیرت بڑھتی جاتی ہے۔ اب تو میری بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ہم کو محبت نہیں ہے تو ہم مجالس کیوں برپا کرتے ہیں۔ کیوں اس قدر لولہ انہماک سے عزادی میں مصروف رہتے ہیں۔ تلے پیر پھرتے ہیں۔ زنجیروں سے ماتم کرنے میں اپنے جسم کو لہو لہان کر لیتے ہیں۔ خراج کرنے میں بھی کافی تیار کرتے ہیں۔ پس اگر محبت نہیں تو یہ سب کچھ کیوں ہے؟

عارف۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ کو محبت ہے تو معاذ اللہ! رسول غلط گو ہیں اگر وہ سچے تو یقیناً آپ جھوٹے ہیں اور یہ محبت نفس کا ایک حصہ ہے جو گہرا غوطہ لگانے ہی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ لیجئے اب اس کی علت غائی بھی واضح کئے دیتا ہوں۔ دیکھئے اس وقت تمام دنیا لفظ محبت کا مفہوم سمجھنے میں بہت دھوکہ میں پڑی ہوئی ہے۔ محبت کی تعریف اور تفصیل تو میں بعد میں بیان

کرونگا۔ اس وقت تو میں بھی فقط محبت کو آپ ہی کے غم میں استعمال کرنے پر مجبور ہوں
اب سنئے! نفس انسانی کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی بقا چاہتا ہے۔ جس کا ذریعہ وہ
اپنی خواہشات و جذبات کی تسلی و تشفی کو سمجھتا ہے۔ لہذا نفس انسان کو ہر وہ
محبوب ہوتی ہے جس کو وہ کیفیت شعوری یا لاشعوری میں اپنی خواہشات و جذبات
کی تسکین کا سبب سمجھتا ہو۔ جتنی کیفیات نفس کے لئے ناگوار ہیں وہ سب وہی ہیں
جو ہلاکت کی طرف لئے جانے والی ہیں۔ اور جن سے سرور پیدا ہوتا ہے سب بقاء ہیں۔

چونکہ نفس کو تسکین جذبات سے سرور حاصل ہوتا ہے لہذا ہر وہ چیز بھی محبوب
ہوتی ہے جس کو وہ سبب تسکین جذبہ سمجھتا ہے۔ اور چونکہ آرام و تسکین کو اپنی
بقائے طویل کا باعث سمجھے ہوئے ہے اس لئے اسباب آرام و تسکین اس کو بہت
محبوب ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مال و دولت۔ جاگیر و جائداد۔ باغات و محلات
رہائشی مکانات سے نفس کو بہت محبت ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی چیز کے ضائع ہونے
پر کیفیت غم و الم اس پر طاری ہو جاتی ہے اور چونکہ نفس کو اس کا شعور ہے کہ
مال قبضہ میں ہونے سے اپنے ہر جذبہ کو تسکین دے سکوگا۔ لہذا مال و دولت کا
دلدادہ ہوتا ہے۔

دوسری قسم کی وہ چیزیں ہیں جن سے بقاءے نسل کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق
ہے۔ چونکہ نفس انسان کو حالت لاشعوری میں بھی اس کا شعور ہے کہ میں دنیا میں ہمیشہ
نہیں رہ سکتا۔ لہذا اپنے بعد اپنی نشانیوں کی بقا کا متمنی رہتا ہے جو اولاد ہی کے
ذریعہ سے پوری ہوتی ہے۔ اس لئے اولاد نفس کو بہت پیاری ہوتی ہے۔ اسی طرح مرد
کے لئے عورتیں اور عورتوں کے لئے مرد چونکہ جذبہ جنسی اور جذبہ بقاءے نسل ہر دو
جذبات کی تسکین کا سبب ہوتے ہیں لہذا نفس کو بہت محبوب ہیں۔ اسی طرح سے
اگر کوئی شخص کوئی یادگار عمارت بنائے یا کوئی کتاب تصنیف کرے وہ بھی اس کو

بعد عزیز ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں میں سے کسی چیز کا فقدان ضائع ہو جانا یا ان نقصان پہنچنا نفس پر کیفیت غم طاری کرتا ہے۔

تیسری قسم کی وہ چیزیں ہیں جو جذبہ شوق کی تشفی سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو کتب بینی سے شوق ہے اس کو اپنی کتابیں اور اس کے متعلقات محبوب ہونے میں کو کسی خاص کھیل کا شوق ہے اس کو کھیل کے متعلقات پیارے ہونگے۔

چوتھی قسم کی وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق عادت نفس سے ہے۔ نفس کو جس کام، محنت، نشہ یا ورزش کی عادت ہو جاتی ہے اس کا پورا کرنا اس کو محبوب ہوتا ہے عادت کے پورا کرنے سے سرور اور نہ کرنے سے ناگواری نفس میں پیدا ہوتی ہے۔

اتنا تو وقت نہیں کہ تفصیلاً بیان کر سکوں اس لئے کہ نفس انسان تو کتاب شدہ ہے جس کی تفسیر ہزاروں برس بیان کرنے سے بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اسی کو توحاب امیر المؤمنین سید العارفین نے فرمایا ہے اَتَحْسَبُ اَنَّكَ جِرَاءٌ صَغِيرٌ وَفِيكَ انْطَوٰی عَالَمٌ اَلَا كَبُرَ کَیَا تو گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جرم ہے۔ حالانکہ تجھ میں تمام کائنات (سب سے بڑا عالم یا جہان) لپٹا ہوا ہے)

اب آپ اس پر غور فرمائیں کہ تمام دنیا میں کوئی شخص خواہ کسی حیثیت کا بھی ہو بادشاہ سے لیکر فقیر تک۔ عالم سے لیکر جاہل تک ایسا نہیں میں کو دنیا میں تکالیف و مصائب پیش نہ آئیں۔ تمام عالم میں ایک فرد بھی بلا مصیبت ریخ و الم سے بچ نہیں سکتا اور یہ تمام کیفیات نفس کے لئے ناگوار ہیں جو اس میں کیفیت اضطراب پیدا کر دیتی ہیں اور جب نفس کو اضطراب لاحق ہوتا ہے تو تمام اسباب تسکین جذبات میں سے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں ایک چیز بھی باعث تسکین نہیں ہوتی۔ تمام اسباب مادی تسلی دینے سے عاجز آ جاتے ہیں۔ اس وقت جو چیز باعث تسکین ہوتی ہے۔ اس کی میں دو مثالیں سن کر آپ کو واضح کر دوں گا۔

۱۔ بیماری میں جب تکلیف ہوتی ہے تو کوئی چیز تسکین نہیں دے سکتی۔ سوائے اس کے کہ مریض کی توجہ اس کے جسم کی طرف سے ہٹا کر کسی اور طرف مبھیر دی جائے۔ اس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ جسم کی طرف پوری توجہ نہ رہنے سے احساس تکلیف میں کمی آتی ہے اور اگر کامل طور پر توجہ کو جذب کیا جاسکے اتنا کہ محویت تامہ طاری ہو جائے اور جسم کی طرف نفس کی توجہ مطلق باقی نہ رہے تو کسی عضو کو کاٹنے سے بھی تکلیف محسوس نہ ہوگی۔ دوسری چیز یہ ہے کہ مریض کو یقین دلایا جائے کہ تم بہت جلد اچھے ہو جاؤ گے اس سے امید فلاح پیدا ہوگی جو جسم کی قوت برداشت اور قوت واقعہ کو بڑھا دیگی اور تکلیف کا احساس کم ہو جائیگا۔

دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ اگر کوئی شخص دس بارہ سال کی محنت سے کچھ سرمایہ جمع کرے جس کا مقصد ایک ہالٹی مکان اپنے لئے خریدنا ہو جس وقت معاملہ مکان کاٹے ہو جائے اور صرف قیمت دینا اور قبضہ لینا باقی ہو سرمایہ چوری چلا جائے تو اس شخص کے اضطراب کی کیا حالت ہوگی۔ اب غور فرمائیے کہ اس کو حالت اضطراب میں کیا چیز دے سکتی ہے سوائے اس کے کہ نفس کو کسی اور طرف توجہ دلانی جائے جس سے استغراق کی حالت طاری ہو جائے۔ اکثر لوگ غم غلط کرنے کو نشہ استعمال کرنے لگتے ہیں۔ تماشہ دیکھنے لگتے ہیں۔ دوسرا سبب تسکین یہ ہو سکتا ہے کہ پولیس یہ کہے کہ ہم چوری کا پتہ لگا لینگے اور مال تمہارا مل جائے گا۔ یا کوئی پیر فقیر یا ولی اس سے کہدے کہ میں تم کو سونا بنانا بنا دوں گا جس سے آئندہ کی امید فلاح پیدا ہوگی۔ اور اضطراب میں کمی واقع ہو جائیگی۔

ان ہر دو مثالوں سے بالکل واضح ہو گیا کہ حالت اضطراب میں جب تمام دیگر اسباب تسکین جذبات منقطع ہو جاتے ہیں اور اضطراب میں سکون پہنچانے یا اس کو کم کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو جو چیزیں اس وقت باعث سکون ہوتی ہیں ان کا

انحصار ان ہی دو چیزوں (۱) جذب توجہ (۲) امید فلاح پر ہے۔ ان دو چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے نفس کا ہر درجہ خواہشمند ہونا لازمی ہے۔ اور اگر کوئی ایسی چیز اس کے ہاتھ آجائے جو بغیر اعانت شخص دیگر یہ دونوں چیزیں مہیا کر دے تو بلائیے کہ نفس انسان کو وہ کس قدر محبوب ہوگی اور پھر اس پر بھی غور کریں کہ اگر کوئی ایسی چیز نفس کو مل جائے کہ جو ہر دم و ہر لمحہ اس کے پاس رہے تاکہ جب بھی اس کو اضطراب لاحق ہو۔ وہ شے ہر دو سبب تسکین یعنی (۱) جذبہ توجہ (۲) امید فلاح پیش کر دے تو تہلایے کہ نفس انسان کو وہ دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہوگی یا نہیں؟ یہ تو فطری امر ہے کہ ایسی شے اس کو مال و اولاد عزت و آبرو سب سے زیادہ محبوب ہوئی چاہئے۔

پس یہی دونوں چیزیں ہر مذہب پیش کرتا ہے۔ یعنی جب کوئی شخص کسی غیر مرئی مافوق الفطرت طاقت کو اپنا معبود مانتا ہو یا معبود تک پہنچنے کا واسطہ جانتا ہو تو حالت اضطراب میں جب تمام دیگر اسباب تسکین جذبات منقطع ہو جاتے ہیں نفس کی توجہ اس غیر مرئی طاقت کے نام کی طرف کھنچ جاتی ہے اور توجہ کا مرکز بن جاتا ہے لہذا یہ مرکز توجہ خواہ وہ دیوی ہو یا دیوتا۔ شجر ہو یا حجر، دریا ہو یا پہاڑ، سورج ہو یا چاند سیارہ ہو یا ستارہ، خدا ہو یا رسول، پیر ہو یا فقیر، خلفا ہوں یا اہلبیت غرض کہ کوئی بھی مرکز توجہ ہو نفس انسان کو سید محبوب ہوتا ہے اور اسی مرکز توجہ سے حیات دنیا اور حیات بعد الموت میں امید فلاح وابستہ ہوتی ہے۔ یہ دوسرا سبب تسکین اضطراب ہے۔ یہی سبب ہے کہ اپنا مذہب ہر شخص کو بہت عزیز ہوتا ہے۔

ایک اور سبب مذہب کی محبت کا یہ ہے کہ بچہ جس فضا میں تربیت پاتا ہے اس فضا کے رسم و رواج سید محبوب ہوتے ہیں۔ ان کے خلاف رسم و رواج سے اسے نفرت ہوتی ہے۔ پھر مذہب کے متعلق جو دعائیں ہیں وہ تو اس کو بہت ہی پیار سے ہونے چاہیے

اس لئے کہ ان رسم و رواج کی ادائیگی میں تو میرے مذہب کے جذبہ کی تسکین ہوتی ہے اور نفس انسانی کا یہ خاصہ ہے کہ جب ایک جذبہ کی شدت ہوتی ہے تو دوسرا کوئی جذبہ اس میں پیدا نہیں ہوتا۔ میرے مذہب کی محبت کا جذبہ خیب جوش میں ہوتا ہے تو ہر قسم کی تکلیف، ہر قسم کا ایثار انسان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

تیسرا سبب رواں مذہبی کے محبوب ہونے کا عادت نفس ہے۔ ایک شخص جو چار میل روزانہ چلنے کا عادی ہو گیا ہے۔ اس کے نفس کو وہ تکلیف جو چار میل چلنے میں ہوتی ہے راحت ہو گئی اور اس کا برداشت کرنا ہی مرغوب ہو گیا اب اس کو چار میل چلنے کی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا بلکہ اس سے بجائے احساس تکلیف حظ حاصل ہونے لگا اگر کسی روز چار میل چلنے کی تکلیف نہ پہنچی تو نفس کو بے چینی رہتی ہے۔ گویا کہ یہ تکلیف ہی نفس کی غذا بن جاتی ہے۔ وہ وقت پر اس کو طلب کرتا ہے اسی طرح سے رواں دنیا بھی خواہ کتنی ہی تکلیف ان میں ہوتی ہو باعث حصول سرور ہوتی ہیں۔ رسم و رواج دنیاوی ہی جب اس قدر محبوب ہوتے ہیں تو پھر رواں مذہب کے محبوب ہونے کی تو کوئی انتہا ہی نہیں رہتی۔ یہ تو ایسی چیزیں ہیں کہ عقل و شعور بچا رہے ہیں ہی کس شمار میں بھڑکتا ٹک مسخ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کی بھی دو مثالیں پیش کرتا ہوں تو

(۱) عرب میں دختر کشی کا رواج تھا۔ اندر یہ ان کی قومی رسم تھی۔ لوگ اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص کی فیرو جیوگی میں اس کے گھر لڑکی پیدا ہوئی۔ ماں نے شوہر سے پچھا کہ اسے پرورش کر لیا جب شوہر سفر سے واپس آیا کہہ دیا کہ مردہ بچہ پیدا ہوا تھا۔ آٹھ نو سال بعد باپ کو علم ہو گیا تو اسے گھر رکھنے کی اجازت دیدی۔ پہلے تو اسے اظہار محبت کر کے نوس کر لیا جس سے لڑکی کی ماں بھی مطمئن ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد ایک روز جنگل میں گیا۔ ایک

گھر اگر مٹا دیا اور وقت کا منتظر رہا۔ ایک روز موقع مل گیا کہ اس کی ماں موجود نہ تھی۔ بیٹی کو ہمراہ لے گیا اور اس گڑھے میں دھکیل کر مٹی ڈالنی شروع کر دی۔ لڑکی فریاد کرتی جاتی تھی۔ میرے پیارے بابا کیا تم مجھے اس جیل میں اکیلا چھوڑ جاؤ گے اور وہ شقی القلب مٹی ڈالتا جاتا اور اس بیگناہ بچی کے پیار اور محبت کے لہجہ میں فریاد و استغاثہ کرنے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اس کو دوبارہ چلا آیا۔

(۲) ہندوستان میں سستی کی رسم جاری تھی جو ہندو مذہب کا جزو تھا۔ جب بھی سات آٹھ سال کی بچی۔ یوہ ہوتی تو اس کی ماں بنا سنوار کر دلہن بناتی اور چٹا پر چلنے کے لئے بھیدی تھی۔ ذرا یہ منظر ملاحظہ ہو کہ سات آٹھ سال کی بیگناہ بچی باپ یا بھائی کی گود میں دلہن بنی ہوئی جا رہی ہے۔ باپ اور بھائی کھیل کھلونوں کا پالانج دلاتے۔ پیار اور محبت کی باتیں سناتے ہوئے لئے جا رہے ہیں۔ بچی کہتی جاتی ہے بابا تماشہ ہو گا۔ مجھے کھیل دکھاؤ گے۔ باپ کہتا ہے ہاں بیٹی تجھے بڑا اچھا کھیل دکھائیں گے۔ اور بالآخر باپ اور بھائی اس پیاری پیاری باتیں کرنے والی۔ غلوں و محبت سے بھری ہوئی موہنی صورت کو اپنے ہاتھوں سے آگے سطوں کی نذر کر دیتے ہیں اب بھی آپ کی سمجھ میں آیا ہے جس کو دنیا محبت سمجھ رہی ہے یہ حقیقتہً محبت غیر نہیں بلکہ یہ تو نفس کی خواہش بقا اور خود اپنی محبت ہے۔ اب تو واضح ہو گیا کہ جس کو آپ محبت اہلیت سمجھ رہے ہیں یہ محض نفس کی خواہش بقا ہے اور منظر ار میں تسکین دینے والے مرکز توجہ کی محبت۔ آپ نے دیکھا جس چیز کو ساری دنیا مذہب سمجھ رہے ہے۔ جو خدا پرستی اور معبود پرستی سمجھی جاتی ہے وہ خود پرستی اور نفس پرستی کے سوا کچھ نہیں۔ میں تو آپ کو یہ بھی دکھا چکا ہوں کہ آپ خود جس کو محبت کہتے ہیں اس کی علامتوں میں کبھی محبت اہلیت کے ثبوت کے لئے کوئی علامت آپ کے نفس میں موجود نہیں۔

جب تک کہ مذہب محض نفس پرستی اور تسکین جذبات کا ذریعہ ہے اس وقت تک تو یہود و نصاریٰ بت پرست و ستارہ پرست سنی اور شیعہ سب برابر ہیں۔ اسی لئے تو قرآن کہتا ہے۔ اِنَّ الدِّیْنِیْنَ اَمْثَلُوْا الدِّیْنِیْنَ ہَادُوْا و النّٰصَارَیْ و النّٰصِیّٰیۃ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ و عَمِلْ مَّآلِحًا فَلَہُمْ اَجْرُہُمْ عِنْدَ رَبِّہُمْ و لَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ و لَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ (اور جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور نصرانی اور ستارہ پرست جو بھی ایمان لائے اللہ اور یوم آخر پر اور عمل نیک بجالائے پس ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے ان پر کوئی خوف اور حزن غالب نہیں ہوتا۔)

آپ نے دیکھا کہ قرآن نے مومنیت کے دو دیواروں۔ یہودی۔ نصرانی اور ستارہ پرست سب کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ اور کوئی امتیاز باقی نہ رکھا۔ بلکہ یہ کہا کہ ان میں سے جو بھی ایمان لائے یعنی لاشعوری سے کل کر شعور حاصل کر لے وہ ہی فلاح حاصل کریگا۔ گویا قرآن کے نزدیک خاص ایمان لانے سے کوئی شخص سوائے اس کے کہ اس پر اسلام کے احکام جاری ہو جاتے ہیں غیر مسلمین سے ممتاز و متمیز نہیں ہوتا۔

شعور پیدا کرنے کا راستہ غور و خوض تدبیر فی القرآن اور تفکر فی الخلق ہے۔ یہی شعور بڑھانے کے ذریعے ہیں۔ اسی کے لئے قرآن عاجباً کہتا ہے افلا یعقلون۔ افلا تعقلون۔ افلا یبصرون۔ افلا یتدبرون۔ افلا ینظرون۔ اور ان سب کا مغنوم ایک ہی ہے کہ کیا تم سمجھتے نہیں؟ کیا تم شعور نہیں رکھتے؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟ اسی کو حضور ص و کائنات نے فرمایا ہے۔ تفکر ساعیراً افضل من عبادۃ سنۃ یا ایک گھنٹہ کا غور و فکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ کہیں فرمایا ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے۔ کہیں فرمایا تفکر و افی خلق اللہ (اللہ کے پیدا کرنے میں رکھو)

یعنی اس بات پر غور کرو اور سوچو کہ اللہ نے کس طرح پیدا کیا۔ وہ کون سے قوانین ہیں جو اس نے تمام مخلوق کی پیدائش کے لئے مقرر کئے ہیں۔ سبحان اللہ واللہ اکبر کیا جلیل القدر ہستی ہے جس کے صرف اسی ایک قول پر مٹی ایمان لانے سے یورپ امریکہ ساری دنیا سے مادیت میں بازی لے گئے۔

یاد کریں میں کہہ چکا ہوں کہ اضطرابِ ارشید لاحق ہونے کے وقت صرف جذبِ توجہ اور امیدِ فلاح باعثِ تسکین ہوتے ہیں۔ نفس کو ایسے مرکزِ توجہ کی جستجو ہوتی ہے جو یہ دونوں چیزیں یکجا پیش کر سکے۔ اور ہر وقت اس کی دسترس کے اندر بھی ہو۔ ایسا مرکزِ توجہ ہر مذہب پیش کرتا ہے۔ جو ہر اہل مذہب کو سیدِ محبوب ہوتا ہے اور وہ اپنا سب کچھ اس کے لئے قربان کرنے کو تیار رہتا ہے مگر حقیقتہً یہ محبت غیر نہیں بلکہ ہمارے نفس کی خواہش بقا اور خود اپنی محبت ہے۔ لہذا نفس پرستی اور شرک باطنی ہے۔ اور جب ایسا ہے تو پھر کسی دیوی یا دیوتا کو ماننے یا خدا اور رسول کو ماننے یا اہلبیت و آلِ رسول کو ماننے یا خلفاء و اصحابِ رسول کو ماننے میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ خدا و رسول اور آلِ رسول ہمارے لئے اضطراب میں محض مرکزِ توجہ ہیں یہ ہے کہ ہماری توجہ ان کی طرف صرف اسی وقت ہوتی ہے جب ہم کو اضطراب لاحق ہوتا ہے۔ ہمارے نفس نے ان اسماء کو مرکزِ توجہ بنانے کے لئے یاد کر رکھا ہے۔

غور تو کیجئے اگر ایک بستی میں بچے ایسی فضا میں تربیت پائیں جہاں ان کو تبتلا یا بجائے کہ بحرِ بیوجی اس دنیا کے پیدا کرنے والے ہیں جو آسمان پر بیٹھے ہیں۔ وہی ہمارے لئے غلبہ پیدا کرتے ہیں۔ آسمان سے پانی برسواتے ہیں وہی ہماری امیدیں پوری کرتے ہیں اور حکمران شاہان کے اوقات تھے جن کے بیٹے جھنڈے لڑ جی اور بھبھار لڑ جی نے ہمارے لئے بڑی بڑی مصیبتیں چھیلیں۔ ہماری بستی کو لاکھوں سال سے بچانے کے لئے لانِ قربان کر دی۔ ان کے لئے رونا بڑا قواب ہے۔ وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں

رونے والوں کی سفارش بھر بھڑو جی سے کرتے ہیں۔ اب یہ بتلایئے کہ جب بچے اس
 فضا میں جوان ہونگے تو ان کو ان اسمائے مفروضہ جھنھاڑو جی اور بھبھاڑو جی سے کیسی
 محبت ہوگی؟ کیا وہ ان کے نام پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار نہ ہونگے؟ کیا
 وہ ان کے حالات و مصائب سن کر نہ روئیں گے؟ پھر آپ یہ بتلائیں کہ ان لوگوں
 کے جھنھاڑو اور بھبھاڑو کے ماننے اور آپ کے علی اور حسین کے ماننے میں کیا
 کیا ہے؟

اگر رسول و آل رسول ہم سے سوال کریں کہ اسمائے مفروضہ کے ماننے والوں میں
 اور تم لوگوں میں کیا فرق تھا؟ دنیا میں تم نے یہ ثابت کیا یا نہیں کہ ہمارے پیشوایان
 مذہب نور حقیقی ہیں۔ اگر تم دنیا کو یہ نہ دکھلا سکے تو بت پرستوں اور تم میں فرق
 ہی کیا ہے۔ وہ بھی اپنے باپ دادا سے سنے سنائے مفروضہ اسماء سے محبت رکھتے
 اور تم بھی باپ دادا سے سنے سنائے ناموں سے محبت کرتے رہے اور بلی سمیت تم
 امتحان ابائکم (بلکہ یہ تو فرضی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ
 لئے ہیں) کے پوجنے والوں کی طرح تم نے بھی اپنا مذہب بنائے رکھا تو بتلایئے
 کہ آپ کیسے اس کا کیا جواب ہے؟

اسی بات کی طرف قرآن نے جگہ جگہ اشارے کئے ہیں کہ کیا مومن اور فاسق
 یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا مومن اور غیر مومن کی زندگی دنیا ایک جیسی ہو سکتی ہے؟
 کہیں فرمایا ہے *هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ* کیا اندھا اور سہا مکا برابر
 ہو سکتا ہے۔ کہیں کہا ہے *أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ*
 کیا مومن اور فاسق ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ نہیں برابر نہیں ہو سکتے۔ اب قرآن کو ان سوالات کا جواب
 دیجئے اور خدا کے سامنے محبت اہلبیت کا ثبوت پیش کیجئے۔
 پیارے بھائی! اب غور کرو کہ میرے مذہب کا جذبہ کیا کچھ نہیں کرانا؟

شخص کو یہ خواہش ہوتی ہے کہ میرے مذہب کی اشاعت ہو میرا مذہب اچھا سمجھا جائے
 میرے مذہب میں لوگ داخل ہوں۔ اور اسی جذبہ کی تسکین کیلئے لوگ تحصیل علم کی مشقتیں
 اٹھاتے ہیں تصنیف تالیف کی محنتیں برداشت کرتے ہیں دن اور رات تصنیف تالیف
 میں مصروف رہتے ہیں عورتیں اپنے عزیز ترین زیورات اور اولاد تک ضرورت کے وقت
 قربانی کیلئے پیش کر دیتی ہیں اور چونکہ علماء مذہب ہی میرے مذہب کی بقا اور حفاظت کا
 ذریعہ ہوتے ہیں لہذا بہت محبوب ہوتے ہیں بالخصوص وہ عالم جو دوسرے مذاہب کے
 مقابلہ میں میرے مذہب کی حقانیت اور دوسرے مذہب کے پیرواؤں کی بُرائیاں ثابت کرتا ہو
 بہت جلد لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیتا ہے اُحد دُحانی بادشاہ کی طرح عوام کے قلوب پر حکومت
 کرتا ہے ایک ادبات پر خود کبھی کہ مذہبی قربانیوں میں وہی طبقے پیش پیش رہتے ہیں جن کے
 جذبات شدید ہوں۔ مثلاً عورتیں۔ نوجوان اور طبقہ جہلہ

اب بھی آپ سمجھے کہ یہ تمام نمازیں روئے حج، زکوٰۃ، مجلس ماتم مرثیہ، عزاداری تصنیف
 تالیف مناظرے مجاہدے جنگ کہ میرے مذہب کی محبت کے جذبہ کی تسکین کیلئے ہو رہے ہیں
 شرک باطنی ہیں جن سے صرف اتنا ہی فائدہ ہے کہ شاید کسی وقت خلوص پیدا ہو جائے جو ایمان کا
 راستہ دکھائے ورنہ سب کسب بیکار۔ اسی طرح سے اپنے پیروایان دین یعنی مراکز توجہ فی الاضطرار
 کے فضائل و حامد اور اپنے مذہبی عقاید کی حقانیت کا ثبوت سکھانے پر کثرت سرور طاری جاتی
 ہے۔ اور میرا مذہب ایسا۔ میرا مذہبی پیرو ایسا۔ اور حضرت نفس صاحب سر کے گدھے کی طرح چھوٹا
 کر کیا ہوتا ہے اور اس کو باعثِ اجر و ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ خطِ نفس نجاست باطنی کو
 بڑھانے والا ہے۔ لہذا یہ کام بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتا ہے اب رہا یہ امر کہ فضائل سننے کا
 مقصد کیا ہے۔ انکو نجاست باطنی و درکنہ کیلئے اس طرح سننا چاہئے تاکہ بیان کرونگا۔ پہلے آپ
 کو محبت کی تعریف بتا دوں

یہ دیر چینی اور بیری پیدائش کے وقت جس نام کی طرف خیال دوڑا یا اس کے برعکس اس کی طرف سے

سنے و محبت اس کوشش کو کہتے ہیں جو ایک ناقص نفس کو نفس کامل کی طرف بغیر حصول کامل
 پیدا ہو جیسے کہ بچہ اپنے ماں باپ سے محبت کرتا ہے۔ ابتداء تو محبت خالص ہوتی ہے مگر رفتہ رفتہ
 جب وہ اپنی خواہشات کی تسکین کا آلہ بھی انکو سمجھ لیتا ہے تو اس محبت میں ذلیل اغراض
 شامل ہو جاتے ہیں پس یہ محبت میں بھی کمی ہو جاتی ہے اور جب ماں باپ کے تمام افعال ظاہری
 کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا بوسنا اور تمام وہ کام جو دنیا میں بقائے نفس کیلئے ضروری
 ہیں سیکھ لیتا ہے یا اس کو یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ میں مستغنی ہو گیا تو محبت بھی رخصت
 ہو جاتی ہے۔ اب محض تسکین جذبات اور نفس کی خواہش بقا کا تعلق ماں باپ کیساتھ رہتا
 ہے جس کو دنیا کے عرف عام میں محبت کہتے ہیں۔ مگر چونکہ ماں باپ کے نفوس اپنی بقائے
 دائمی کا سبب محض اولاد کو سمجھتے ہیں لہذا ان کی محبت عرفی میں جو حقیقتاً خود ان ہی کے
 نفس کی خواہش بقا ہے کبھی کمی نہیں ہوتی۔

رسول اور آل رسول سے محبت ہونی کے معنی تو یہ ہیں کہ ہماری نفسوں میں
 انکی طرف کشش پیدا ہو جائے جس کا مقصد ان کے کمالات عالیہ کا اپنے نفسوں میں پیدا
 کرنا ہو جو ان میں موجود ہیں جس کا طریقہ بچہ کی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ
 اپنے ماں باپ کے کمالات ان کی حرکات و سکنات رفتار و گفتار اور کام کرنیکے طریقوں
 پر محض غور و فکر کر کے نقل کرنے کی کوشش سے حاصل کر لیا ہے۔ یہ قوت تعالیٰ
 فطرت انسانی میں ودیعت کی ہوئی ہے۔ پس اگر ہم کو بھی رسول اور آل رسول سے
 محبت پیدا ہو جائے تو ممکن نہیں کہ ہماری نفسوں میں ان کے کمالات کے حصول کی
 تڑپ پیدا نہ ہو۔ اور ہم انکی نقل کرنے کی کوشش نہ کرنے لگیں جب کوشش کریں گے
 تو نقل بھی کرنے لگیں گے اور جب ایسا ہوگا تو ان کے کمالات کا بھی کچھ نہ کچھ اثر ہماری
 نفسوں میں پیدا ہونے لگے گا۔ اور یہی ان کے فضائل و مصائب سننے کا مقصد ہے
 قرآن بھی ملامت سے محبت یہی بتاتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمْ

کہہ دے اگر تہا سے محبت تکتے ہو تو میری پیروی کرو۔ مگر تم سے محبت کرنے لگنا اپنی ہی کے معنی صرف
 نئے کاموں کی نقل کرتا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں جس کا ثبوت یہ کہ جب آپ امام
 حسین علیہ السلام کی زیارت ارشہ پڑھتے ہیں تو خدا و انبیاء و ملائکہ کو گواہ کر کے کہتے ہیں
 کہ میرا ہر کام تمہارے کاموں کی نقل ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ نماز عید کی دسے قنوت میں
 کہتے ہیں کہ خدایا، ہکو بھی ان تمام خوبیوں میں داخل کر دے جنہیں محمد آل محمد کو داخل کیا اور
 ان تمام برائیوں سے نکال دے جنہیں سے محمد و آل محمد کو نکالا۔ دیکھئے قرآن نے یہی نقل کر نیکی ہی مستار
 محبت بتایا۔ اور کہہ دیا کہ اگر محبت ہے تو نقل کرو اس سے ثابت ہو گیا کہ محبوب کے افعال
 و افعال کی نقل کرنا ہی محبت حقیقی کی علامت ہے۔ مگر رسول و آل رسول کے فضائل
 منکر خافض حاصل کر لیا تو اگر ہی کی زیادتی کا سبب ہو گا۔

خود کریں اور سوچیں کہ اگر کسی شہر میں ایک طبیب عاذق ہو جو تپدق کے علاج میں بہادر
 تپہ لکھتا ہو اور تمام اہل شہر اس کی عذاقت و قابلیت کے قائل ہوں۔ پس جو لوگ تپدق
 میں مبتلا ہوں، انکو چاہئے کہ اس طبیب کے علاج رجوع کریں۔ اور جو وہ مبتلا نہ اسکو
 استعجال کریں۔ تاکہ مرض مہلک سے نجات حاصل ہو اور اگر وہ تمام مریضوں کو استعجال
 نہ کریں لیکن دنیا بھر میں یہ کہتے پھر میں کہ ہم اس طبیب کو مانتے ہیں۔ وہ بڑا عاذق ہے۔
 اس کے پاس تپدق کی اکسیر ہے۔

ہمکو اس سے بڑی محبت ہے اس پر ہمارا ایمان ہے۔ اسی طرح اس کی تعریف و تہنیت
 میں اس کے کمالات کے انبار میں اور اس کی فوقیت کے ثبوت میں اس کے تجربہ علمی کے
 نظائر کرنے میں اس کے مدد قبل اہل علم کی تنقیص میں علوم کے دریا بہا دیں۔ تصانیف کے انبار
 لگا دیں۔ ہزاروں لاکھوں و پیہ خرچ کر دیں شب و روزان مشاغل میں مصروف رہیں اسکا
 کہاں ثابت کرنے کیلئے ساری دنیا سے سر پھٹول تو توئیں میں مناظرے مباحثے اجداد کے مقابلے
 کرتے پھر میں جتنی کہ اپنی عزیز سے عزیز چیزوں مال و املاک اور اہل و عیال کی قربانی بھی دیدیں

اور اس میں انکو بیسیس برس گزر جائیں۔ تو کیا کبھی بھی تپدق سے نجات پاسکیں گے۔
 کہ وہ کبھی نہیں، بلکہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس طیب کو اتنے ہوتے حاذق جانتے ہوئے اس کی
 اکسیر برپاں یقین رکھتے ہوئے اسکی تعریف و توصیف کرتے ہوئے تپدق میں ہی ہلاک ہو جائیگا
 فرمائیے یہ سچ ہے یا جھوٹ؟ اب دیکھا آپ نے اپنی مؤنیت کا پول؟
 عزادار بھائی ایک اور بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے
 ہیں جو ہلال محرم دیکھتے ہی ہندنا شروع کر دیتے ہیں۔ سارہ عشرہ محرم میں بغیر اسکے کہ کوئی کر لائے
 والا انکو لائے۔ اوقات فرصت میں بیٹھے بیٹھے خود بخود رونے لگتے ہیں اور انکا زیادہ وقت
 فرصت اسی طرح گزرتا ہے۔ ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

عارف۔ بھائی صاحب! میں مفتی تو ہوں نہیں۔ جو مجھ سے آپ حکم پوچھتے ہیں میں
 کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ ہر شخص میں ہر جذبہ یکساں نہیں ہوتا۔
 کسی کا خستہ شدید ہوتا ہے تو کسی کا علم۔ کسی کی محبت شدید تو کسی کی نفرت اسی طرح
 بعض لوگوں میں میرے مذہب کا جذبہ بھی شدید ہوتا ہے انہیں میں ایسے لوگوں کا شمار ہوگا۔
 اور ایسے لشکار میں جیسا آپ نے ذکر کیا شیعوں میں کم طینتے۔ اور غیر اقوام کے عزادار وہیں نسبتاً زیادہ
 مگر میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ ایسی کیفیت جن لوگوں پر طاری ہو جائے ان کے نفوس
 میں جذبہ محبت پیدا ہو جانا اغلب ہے۔ جو انکو تر ک نفیس اور منزل ایمان تک پہنچا دیتا ہے
 اعلم بالصواب +

عزادار بھائی صاحب! مجھ کو تو آپ نے بحر حیرت میں غرق کر دیا میری سمجھ میں
 اب یہ ہی نہیں آتا کہ اس نے دلانے تمام مرثیہ اور غزاداری سے نائدہ کیا ہے؟
 عارف سینوارہ غور سے مستطاب سمجھنے کی کوشش کرو۔ پہلے تو آپ کو یہ سمجھنا چاہیے
 کہ اسلام کا مقصد کیا ہے۔ اس کے بعد آپ یہ سمجھنے کے قابل ہونگے کہ وہ نارانا مجلس قائم
 کیا ہے اور حسین پر لڑنے سے جنت کیسے واجب ہو جاتی ہے؟ +

سنو اسلام دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ مخلوق کو صفات الہیہ حاصل کرنے اور حاصل ہونے
 فانی اللہ باقی باللہ ہونیکے طریقے سکھائے جیسا کہ حضور سرور کائنات نے فرمایا ہے تخلقوا
 بخلق الله تم اپنے میں صفات الہیہ پیدا کرو یا جیسا کہ حدیث قدسی میں خود جناب رب
 العزت فرماتا ہے عِبْدِي اَطِيعُوا اَمْرًا مِثْلِي - اَمَّا هُوَ اَمَّا مَوْتُ اَجْعَلْكَ حَيًّا لَا مَوْتَ
 اَمَّا غِنًى لَا اَقْتَرُكَ اَجْعَلْكَ غَنِيًّا لَا تَقْتَرُوا اَنَا مَهْمَا اَشَاءُ يَكُنْ اَجْعَلْكَ مَهْمَا تَشَاءُ يَكُنْ (وہ جس
 المتقين از شبیل علیہ الرحمۃ) تو مجھ میرے بندے میری اطاعت کر میں تجھ کو اپنی مثل بنا لوں گا
 میں ایسا زندہ ہوں کہ کبھی نہیں مردے گا۔ تجھ کو بھی ایسا بنا دوں گا۔ کہ تو کبھی نہ مرے گا۔ میں ایسا بے نیاز
 ہوں کہ مجھے کسی چیز کی احتیاج نہیں ہوتی۔ تجھ کو بھی ایسا ہی بے نیاز بنا دوں گا۔ کہ تجھ کو کسی چیز کی
 احتیاج نہ ہوگی میں جبار اور کرتا ہوں نہ پاتا ہوں ہو جاتا ہے۔ تجھ کو بھی ایسا ہی بنا دوں گا کہ تو جو چاہے
 وہ ہو جائے +

دوسری حدیث قدسی ملاحظہ ہو جناب باری تعالیٰ عز و جل فرماتا ہے عِبْدِي اَطِيعُوا اَمْرًا مِثْلِي
 مِثْلِي فَقَدْ نَشِئْتُ كُنْ فَيَكُونُ (انسان الواعظین) اے میرے بندے میری اطاعت کر میں
 مجھے اپنی مثل بنا لوں گا پس تو کہ دے کسی چیز سے کہ ہو وہ ہو جائیگی +
 قابل غور امر یہ ہے کہ صفات الہیہ کے حصول میں کیا چیز صدراہ ہے غور کرنے سے
 معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہلکے خواہشات جذبات ہی ہیں۔ قرآن نے بھی جا بجا اسی طرح اظہار
 کیا ہے کہ ایمان لانے سے لوگوں کو باز رکھنے والی انکی ہوائے نفس ہی رہی ہے خواہشات جذبات
 کا دلوں اور جوش انسان کو صلت حق پر کان ٹکانی اجالت ہی نہیں دیتا حالانکہ تمام جذبات
 فطری ہیں یہی خواہشات و جذبات ہیں جو ہماری ہدایت کیلئے مسکو مقصد تک پہنچانے کیلئے
 زندگی دنیا صحیح طریقہ پر گزار کر حیات ابدی حاصل کرنے کیلئے دیتے گئے ہیں مگر ہمارے خواہشات
 و جذبات مگر ہمیشہ کی فصل کے اثر سے غیر فطری طرز معاشرت اور غیر فطری غذا کے سبب
 مگر ہمارے خواہشات ہی ہو جاتے ہیں +

جذبات کے مسخ ہو جانے کی حالت میں بھی اگر ان میں جوش و ولولہ نہ ہو تو انسان غور و فکر کرے تو شعور حاصل ہونے لگتا ہے بغیر غور و فکر شعور حاصل ہونا ناممکن اور شدت جذبات کیوقت جبکہ جذبات کی لہریں جوش میں ہوں آدمی کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا انسانیت تو یہ ہے کہ ہر خواہش و جذبہ جبوقت پیدا ہوا انسان اُس پر غور کرے اور سوچے کہ اس خواہش و جذبہ کا مقصد حقیقی کیا ہے۔ اور عقل کی عدالت میں معاملہ پیش کرے جو فیصلہ صادر ہو اس پر عمل کرے مگر جذبات کا جوش اتنی مہلت ہی نہیں دیتا کہ کسی خیال کو ذہن میں آنے دے۔ جذبہ تو اپنی تسکین چاہتا ہے۔ آدمی کو اپنی زو میں بہا لے جاتا ہے مثلاً جذبہ غم ہمارے نفس میں اس واسطے ڈال گیا ہے کہ ہم کو اپنے متعلقات اور اپنی ضروریات و لوازمات زندگی کی حفاظت و ضیانت پر مجبور کرتا ہے۔ اسلئے کہ اگر کسی چیز کے ضائع ہو جائے نفس کو اذیت نہ ہو تو لا پر وا ہی لازم ہے مگر چونکہ نفس کی فطرت میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ اپنی محبوب چیزوں کے ضائع ہو جانے سے اُس پر جذبہ غم طاری ہوتا ہے جو اس کو ناگوار ہے۔ لہذا اس سے ہمیشہ دور رہنا چاہتا ہے پس اس اذیت کا تصور جو کسی چیز کے ضائع ہو جانے سے اس کو پہنچے گی نفس کو مجبور کرتا ہے کہ اپنی مرغوب اشیاء کی حفاظت کرے اور ضائع نہ ہونے دے مگر جب جذبات مسخ ہو جاتے ہیں اور ان میں جوش و ولولہ پیدا ہو جاتا ہے تو انسان غم میں اپنا سر پیٹتا ہے اپنی چھاتی کو ٹٹا ہے اپنے بال نوچتا ہے بعض اوقات دیواروں اور پتھروں سے سر ٹکراتا ہے :

اگر جذبہ کی شدت نہ ہوتی جوش اور ولولہ نہ ہوتا تو جذبہ غم طاری ہوتے ہی درجہ عقل میں معاملہ پیش کیا جاتا اور وہ حکم نکالتی کہ اس غم کی لہر کو آنسو بہا کر ماکن کر دو۔ اور کسی مرکز توجہ کی طرف لو لگا کر استغراق پیدا کر لو تا کہ یہ تکلیف رفع ہو جائے۔ جب اضطراری حالت کا نفس حکم دیتا تو عقل کہہ دیتی کہ جو چیز ضائع ہو جانی تھی۔ وہ تو ہو چکی اب اپنے جسم کو نقصان پہنچانیسے کیا فائدہ ہے۔ ہرگز کوئی حرکت ایسی نہ کرو جو مقصد جذبہ غم کے منافی ہو :

اسی لئے جناب رب العزت نے انبیاء و رسل کو بھیجا کہ وہ اسکی مخلوق کو ایسے فطری طریقے بتلائیں جو مسخ شدہ خواہشات و جذبات کے جوش اور دلولہ کو مٹا دیں، تاکہ ان کو استعمال کر کے اپنے مسئلے سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ جذبات کا مقصد صحیح سمجھ لینے سے شعور حاصل ہو گا۔ اتمام خواہشات و جذبات حقیقی فطری رنگ میں نمایاں ہونگے مثلاً نفس کی فطرت میں ہمیشہ باقی رہنے کی خواہش ہے۔ مگر چونکہ نفس کی خواہش بقا مسخ ہو جاتی ہے وہ اپنی بقا کا انحصار حیات دنیا تک محدود سمجھ لیتا ہے۔ اسلئے کہ زندگانی دنیا تو اس کے شعور میں ہوتی ہے۔ اور حیات بعد الموت کو صرف زبانی مانا جاتا ہے۔ مگر شعور پیدا ہو جائے تو یہ سمجھ لے کہ کسی بڑی ہستی میں فنا ہونا ہی بقا کا ذریعہ ہے۔ اور جب اس امر کا نفس کو شعور ہو جائیگا۔ تب اسکے ذرائع اور اسباب کی طرف توجہ کریگا۔ ورنہ صرف دنیا میں باقی رہنے کی خواہش رہے گی۔ جبکہ ذریعہ محض تسکین خواہشات و جذبات ہی ہے۔ لہذا اتمام زندگی تک جذبات پرستی میں مصروف رہیگا جسکا نتیجہ ہلاکت ابدی ہے۔

تمام انبیاء و رسل حیات ابدی کی طرف بلانے کیلئے آئے اور سب نے یہی بتلایا کہ اے بندگان خدا حصول حیات ابدی کا ذریعہ واحد کا الہا کا اللہ پر عمل کرنا ہے۔ تم غیر اللہ کو مطاع مطلق نہ بناؤ۔ یعنی کسی کے حکم کی پیروی نہ کرو اور تعمیل نہ کرو خواہ اس میں تمہارا نفس ہی کیوں نہ ہو۔ اسلئے کہ خواہشات و جذبات نفس کی پیروی کرنا شرک ہے یہی وہ بنجاست ہے جو نفس میں فساد کے اثر سے عقل و شعور نہ ہونے کے سبب پیدا ہو جاتی ہے۔

تمام انبیاء و رسل نے اس پیغام کو دنیا کو پہنچانے کیلئے بڑی بڑی تکلیفیں ادا کیں۔ انہیں اور خلق اللہ کے نفوس کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔ سب یہی بتلاتے ہیں کہ اللہ سے محبت کرو۔ اور اللہ کی محبت تک پہنچانے کیلئے جو طریقہ لوگوں کو تعلیم کئے انکو بجا لانیکی ترغیب دینے کیلئے وہ جذبات فطری امید و خوف کو استعمال کیا۔ اسلئے کہ یہی دونوں جذبے

ایسے ہیں کہ اگر نفس میں پیدا ہو جائیں تو دوسرے جذبات کے جوش کو مٹانے کیلئے کافی ہیں لہذا تمام انبیاء و مرسلین بشیر و نذیر بنکر آئے ۔

چنانچہ رسول آخر الزمان نے بھی ابتداءً ان ہی دونوں جذبات امید و خوف سے کام لیا۔ چونکہ اسکے بعد کوئی نبی آنی والا نہ تھا۔ لہذا اُس نے انتہائی ایشیا بھی دکھلایا تاکہ اپنی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالے جس سے وہ اپنے محبوب معلم کی طرز معاشرت کی تقلید کر کے پناست شرک سے نکل سکیں۔ جو تزکیہ نفس اور حصول حیات ابدی کا فیعیہ ہو جائے ۔

یہ رسول رحمۃ للعالمین تھا۔ اس نے محض اسی پر بس نہیں کی بلکہ ہمارے قلوب میں اپنی محبت پیدا کرنے کیلئے اپنی اولاد کو بھی قربانیوں کے واسطے وقف کر دیا۔ تاکہ ہماری ہدایت کے اسباب میں جہد غم ایک مزید سبب بن جائے۔ اسلئے کہ یہ جذبہ تمام خواہشات و جذبات کے جوش کو مٹا دیتا ہے۔ اور اگر کچھ عرصہ مسلسل کیفیت غم طاری رہتی ہے تو نفس کی غفلت دور ہو جاتی ہے۔ لہذا ایمان قلب میں داخل ہوتا ہے۔ اور حب الشہید پیدا ہو جاتی ہے ۔

قربان ہوں ہماری جاتیں اس رؤف و رحیم رسول پر جس نے ہماری ہدایت کا سبب بننے کیلئے اپنی پیاری اولاد سے اپنی حیات ہی میں عہد لے لیا۔ اور اس امانت عظمیٰ کا بار اٹھے سپرد کر دیا۔ چنانچہ راحت جان رسول الثقلین جناب امام حسین علیہ السلام نے ایسی عظیم قربانیاں پیش کیں۔ اور ایسے مصائب عظمیٰ اپنے لئے پیدا کئے جن کا محض تذکرہ سننے سے مخلوق خدا کے قلوب متاثر ہو جائیں امام حسین علیہ السلام نے اس امر کا خاص اہتمام کیا ہے کہ کسی سن اور کسی درجہ کا شخص درد سے محروم نہ رہے۔ چونکہ مردوں کو مردوں سے عورتوں کو عورتوں سے، ضعیفوں کو ضعیفوں سے متوسط العمر والوں کو متوسط العمر والوں سے جوانوں کو جوانوں سے لڑکوں کو لڑکوں سے لڑکیوں کو لڑکیوں سے والدین کو والدین سے غلاموں کو غلاموں سے اور پھر سب کو بشیر و نذیر سے پوری پوری ہمدردی

ہوتی ہے۔ لہذا کچھ سے لیکر بوٹھے تک ہر قسم کی قربانیاں پیش کر دیں۔ تاکہ مخلوق خدا کو خواہشات و جذبات پر غالب آئے اور شعور حاصل کرنے کیلئے بیسیوں برس کی ریاضیات شاقہ نہ اٹھانی پڑیں۔ لہذا تک پہنچنے کا راستہ اس قدر سہل اور آسان ہو جائے کہ کسی ریاضت شدید کی ضرورت پیش نہ آئے۔ صرف حسین کا تذکرہ ہدایت کیلئے کافی ہو جائے۔ ان کے آلام و مصائب سن کر وہ دلی میں بھر جائے نفسوں پر غم کی کیفیت طاری ہو جائے اور جذبہ غم سارے جذبات و خواہشات کے جوش کو مغلوب کر دے جس کے بعد ان کے مقصد ... صحیح کا شعور حاصل ہو۔ اور انسان عقل و شعور کی روشنی میں صراطِ مستقیم پر گامزن ہو سکے۔ ایسے رؤف و رحیم آقا پر میرے ماں باپ جان و مال و اولاد سب کے سب قربان ہو جائیں۔

دین اسلام کی بناء کلمہ کا الہ الا اللہ ہے اور اس تمام کلمہ کی بناء کا الہ پر ہے اور کا الہ اس وقت تک عملی طور پر نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ نفس پرستی ترک نہ کی جائے یعنی کوئی حرکت و سکون ہمارا خواہشات و جذبات کی تسکین کیلئے نہ ہو بلکہ عقل کی رہنمائی میں اُن کے مقصد حقیقی کو حاصل کرنے کی غرض سے ہو۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب جذبات کا جوش و ولولہ زائل ہو جائے جس کے لئے سوارِ دوش رسول خدا جناب سید الشہداء منظلوم کر بلا نے ہمارے واسطے کافی سے زیادہ اسباب مہیا کر دیئے اور عملی طور پر کا الہ کہہ لینے کو سہل اور آسان بنا دیا۔ لہذا حسین کا الہ کی بنا ٹھیرے جو کا الہ الا اللہ کی بناء ہے اور کلمہ کا الہ الا اللہ پر تمام اسلام کا انحصار ہے۔ اس تمام تفصیل کو حضرت خواجہ متین الدین صاحب جمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کس قدر خوش اسلوبی سے اپنی رباعی کے ایک مصرعہ میں ظاہر فرمایا ہے:

حقا کہ بنائے کا الہ است حسین

اب بھی آپ سمجھئے کہ اسلام کیا ہے۔ اور رسول اور آل رسول ہم سے کیا

چاہتے ہیں دیکھو قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ رسول کی بعثت کا مقصد وجود مخلوق کا تزکیہ نفس ہے جیسا کہ فرمایا *فَاَلْتَوْنِي بَدْشِرْفَا كَا قَلْبِيْنَ وَ سَوَّلَا قَتْنَهْمُ قِيُوْلِهِمْ* آیاتہ فَمِنْ كَلِمَتِهِمْ فَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ وہی ہے جس نے ایمو نہیں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا تاکہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرے اور انکا تزکیہ کرے اور انکو علم و حکمت تعلیم کرے ۛ

اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ سب سے پہلی چیز تزکیہ نفس ہے جب تک تزکیہ نہ ہو علم اور حکمت مل ہی نہیں سکتے پس جب تک کالہ پر عامل نہ ہو جاتے اور نجاست شرک باطنی یعنی نفس پرستی دور نہ ہو کسی شخص کو علم اہلبیت کی عین بھی میسر نہیں ہو سکتی۔ نہ وہ قرآن کا مفہوم سمجھ سکتا ہے۔ نہ حدیث رسول کا اور اسی طرح احادیث ائمہ صحوین علیہم السلام کا مطلب بھی سمجھنے کی قابل نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کلام کا قول رسول کا قول اور رسول کا کلام کلام کو یا تمام احادیث اہلبیت احادیث رسول اور قرآن سب کلام اللہ ہی ہیں اور کلام اللہ خود پکار پکار کر سنار ہا ہے *كَيْفَ تَسْمَعُوْهُ اَلَا الْمَطْهُرُوْنَ* (سوائے پاک کئے ہوئے لوگوں کے اور کوئی اس سے چھو بھی نہ جاتیگا) یعنی کلام خدا سے کسی کو مس نہ ہوگا۔ سوائے اُنکے جنکا نفس پاک ہو گیا ہو ۛ

اب تو واضح ہو گیا کہ جسکے نفس کا تزکیہ نہ ہوا ہو جو نجاست شرک خفی یا جلی میں مبتلا ہو وہ قرآن یا حدیث رسول و اہلبیت کا مفہوم سمجھ ہی نہیں سکتا قرآن نے تزکیہ نفس پر کتنا زور دیا ہے سورہ اعلیٰ میں فرماتا ہے *قَدْ اَخْلَجَ مَنْ تَبَذَّلَ (فلج اس نے پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا) سورہ الشمس میں فرمایا* وَمَا سَوَّاهَا فَالْحَمْدُ فَجْزُهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (تمہاری برائیاں اور بھلائیاں تحقیق کہ فلج پائی اس نے جس نے اسکا تزکیہ کیا ہے)

غرض کہ جب تک ترکیب نفس نہ ہو علیٰ طبع پر کمال اللہ نہ کہے علم و حکمت مل ہی نہیں
 سکتی۔ علم کیا ہے علم والوں ہی سے پوچھو۔ انہوں نے بتا دیا ہے اَلْعِلْمُ قُوَّةٌ مُسْلِمَةٌ
 نَفْسٌ۔ وہی نور ہے۔ جو حیات ابدی کا سبب ہے۔ وہی نور ہے جو حقیقی زندگی کی
 روح ہے۔ جو رحمت ایزدی سے ایمان لانیوالوں کو عطا ہوتا ہے۔ وہی نور ایمان۔ وہی اسلام
 کی جان ہے دیکھو قرآن کہتا ہے۔ اَفَمَنْ كَانَ يَتْلُو فَاُخِيَتْهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي
 فِي النَّاسِ كَمَنْ هُوَ فِي الظُّلُمَاتِ يَسْتَبْجِي مَخَارِجَ مِنْهَا (پس وہ شخص جو مردہ تھا۔
 ہم نے زندہ کیا۔ اور اس کیلئے نور قرار دیا جس سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ اُس
 شخص کی مشابہہ سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہو اور ان سے نکلنے والا نور)۔
 اب تو معلوم ہو گیا۔ کہ ایمان والوں کو جناب رب العزت کی طرف سے نور عطا ہوتا
 ہے۔ پس جب نور قلب میں آئیگا شعوتِ تام پیدا ہوگا۔ تو نفس کی گہرائی میں جو علوم
 لا شعوری میں پڑے ہوتے ہیں۔ اور تاریکی باطن کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ اس نور
 کی روشنی میں دکھائی دینے لگیں گے۔ اور تمام کائنات کی حقیقت کا علم حاصل ہو جائیگا
 کسی کے آگے زانوئے ادب نہ کر نیکی ضرورت نہ ہے گی۔ اور علوم مادی کیلئے مشرکوں
 اور نفس پرست اہل دنیا کے دوازہ پر بھیک مانگنے سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ اگر
 تعلیم قرآن۔ تعلیم اہل بیت صرف اسی قدر ہے کہ دن میں پانچ دفعہ اُٹھا بیٹھی کر
 لہ سال میں ایک مہینہ فاقے کر لیا کرو۔ اور نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور حیض نفاس
 کے مسائل تو خدا و رسول اور آل رسول سے دریافت کر لو مگر دنیا میں زندگی گزارنے
 کیلئے دشمنانِ خدا سے بھیک مانگو۔ اگر ایسا ہی ہے تو قرآن کا دعویٰ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ
 لَكُمْ دِينَكُمْ آج کامل کر دیا میں نے دین تمہارا (صحیح نہیں)۔

مگر یہاں شیطان۔ وسوسہ ڈالے کہ فقہ شریعت۔ و آل رسول کا ماننا اور دیگر
 احکام مذہب جو دنیا میں صحیح زندگی گزارنے کیلئے ضروری ہیں۔ دین میں داخل ہیں

اسکا احکام منسلک ہے۔ مگر دیکھیں کہ کمال ہو گیا۔ لہذا خدا کا قول سچا ہے۔ تو تم اس کے
 دھوکہ میں ہرگز نہ آنا۔ اسلئے کہ اگر یہ صحیح ہے۔ تو پھر خدا و رسول اعدا ال رسول اور قرآن
 ہمارے لئے کافی نہیں ہیں۔ بلکہ ہم غیر دئے محتاج ہیں پس جن سے ہماری حاجت پوری
 ہوتی ہے۔ جو ہماری زندگی دنیا کیلئے کفایت کرتے ہیں۔ ہم انکو کیوں نہ مانیں۔ جو
 ایسے ناقص دین کا پشتاراً اٹھائے پھر اس آخرت کی زندگی تو بعد کے ہے۔ پہلے تو دنیا
 ہی ہے۔ اسلئے کافی دنیا پر ہی حیات آخرت کا دار مدار ہے۔ یعنی حیات آخرت کی
 تعمیر کی بنیاد حیات دنیا ہی ہے۔ پس جب خدا و رسول زندگی دنیا میں ہمارے لئے
 کافی نہیں تو اُن کے دیکھئے ہم آخرت کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسے خدا و رسول کے
 ماننے سے فائدہ کیا ہے +

اب دیکھنا یہ چاہئے کہ نور ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ قرآن ایمان کی ملامت
 حب اللہ بتلاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ حُبًّا وَاللَّهُ
 لَحَبِيبٌ إِلَيْهِمْ۔ وہ اللہ کیلئے محبت کرنے میں بڑے شدید ہیں، کہیں فرمایا یحبہم اللہ
 (اللہ سے محبت رکھتے ہیں) مگر مشکل تو یہ ہے کہ محبت تو ہم جنس سے ہوتا کرتی ہے۔
 اللہ تو ہماری جنس نہیں ہے۔ پس اس سے محبت کیسے ہو سکتی ہے۔ اب اسکی تفسیر
 دیافت کرنی ہو تو بچہ مدیافت کر لو۔ اسلئے کہ وہ فطرت اسلام پر پیدا ہوا ہے۔
 وہی اسکو کھول کر بیان کرے گا خالق ارض و سما فرماتا ہے کہ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ
 عَلَیْهَا (وہ اللہ کی فطرت ہے جس پر لوگوں کو خلق کیا) بچہ کی فطرت چونکہ مسخ شدہ نہیں
 ہوتی اس سے حکو فطرت اللہ کا سبق مل سکتا ہے +

میں تپ کو ایک واقعہ بتاتا ہوں جس سے جب اللہ کا مفہوم سمجھ میں آجائے
 ایک شخص کا بچہ باپ سے بہت مانوس تھا جب وہ سفر پر گیا۔ بچے نے کھینچ مارا
 کر دیا۔ اسکا کھانا بھی کم ہو گیا۔ ہر وقت باپ کی یاد میں رہتا تھا۔ ایک روز بہت

زیادہ حسین تھا ایک کا قد کا پرزہ اسکو دیدیا۔ اور کہہ دیا کہ تمہارے بابا نے تمکو خط بھیجا ہے
اسکو لیکر اس قدر خوش ہوا کہ چنچیا تھا۔ چلاتا تھا میرے بابا کا خط آخر دونوں ہاتھوں سے
پر کر سینہ سے لگا لیا یہاں تک کہ اسی حالت میں سو گیا۔

خدا کے ماننے والوں اس پر ایمان لایا۔ دیکھو اس نے تمہارے لئے اپنی محبت کا
رستہ کس قدر سہل اور آسان کر دیا ہے تم کچھ سمجھے کہ بچے نے حب اللہ کی کیا تفسیر بتائی بچہ
بتا رہا ہے کہ اللہ کی محبت اسکی نشانیں کی محبت ہے۔ اللہ کے بچو۔ اس نے اپنی
سب سے بڑی نشانی اپنے نور کا آئینہ اپنے پیارے رسول کو تمہاری جنس بنا کر تم میں
بجھو یا اسکے ساتھ ہی ساتھ اپنا خط بھی بھیج دیا یعنی وہ قرآن لیکر آیا۔

اسی طرح سے رسول کی محبت اس کی نشانیں کی محبت ہے جبکہ رسول سے
محبت ہوگی اسکو تو رسول کی زبان چوسنے والے۔ رسول کے کاندھوں پر چڑھنے والے
رسول کو اونٹ بنا کر اس پر سواری لینے والے۔ رسول کی زلفوں کو مہار بنانے والے رسول
کی گرد کے پائے حسین سے بید محبت ہونی چاہئے۔ اب تو واضح ہو گیا کہ حسین کی محبت
رسول کی محبت سہل کی محبت خدا کی محبت نور ایمان اور نور ایمان احویات ابدی ہے
یہی منزل فنا فی اللہ اور درجہ وصال الہی ہے۔ اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ حسین
کی محبت ہی دین ہے حسین کی محبت ایمان ہے حسین کی محبت حب رسول ہے۔

حسین کی محبت حب اللہ ہے حسین کی محبت وصال اللہ ہے حسین کی محبت نور اللہ
ہے۔ جو اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ تزکیہ نفس نہ ہو اور لا الہ نہ کہہ لے۔ اسکے
بعد محبت ہی اللہ کا ہلواتی ہے۔ جوں جوں محبت بڑھتی ہے۔ دل میں نور بڑھتا ہے
علم و حکمت بڑھتی ہے۔ انکشاف حقیقت ہوتا ہے۔ اور حب اللہ شدید ہو جاتی ہے
اس وقت بندہ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے یعنی عہد کی مرضی عہد کی مرضی اور عہد کی
مرضی عہد کی مرضی ہو جاتی ہے۔ اور بندہ کا چاہا۔ خدا کا چاہا۔ بندہ کی منشا خدا کی منشا ہو جاتی

ہے۔ لہذا جو بندہ چاہے وہی چاہتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے وہ فوراً ہو جاتا ہے۔
 اب تو بالکل واضح ہو گیا کہ حسین کی محبت ہی اس منزل پر پہنچانے والی جگہ صفا
 الہیہ بندہ میں پیدا ہو جائیں۔ اور بندہ جو چاہے وہ فوراً ہو جائے۔ جس چیز کی خواہش
 ہو فوراً موجود ہو جائے۔ اور یہی اہل جنت کی منزل اس لئے ہے۔ جسکو قرآن نے بتایا
 لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ الْأَرْضِ الْمَوْعُودَةِ (یعنی وہاں وہ جو
 چاہیں انھیں لئے موجود تھا) اور جس چیز کی خواہش کریں فوراً مافرا چھوڑ جنت کی اس منزل
 یہ ہو تو اسکو حق تعالیٰ دے دے وہ درخت و پھول تک محدود کرنا کس قدر ظلم ہے۔
 اب بھی آپ کی سمجھ میں آیا کہ جذبہ یہودی کی تسکین کے لئے مصائب حسین
 پر دوئے بھائے فائدہ کھائے انھیں نقصان پہنچا دیا ہے۔ البتہ جو شخص مصائب حسین سن کر دل
 سے توجہ کرے اس کی کیفیت دوسرے نفس پر طاری کر کے روئے۔ اس کے نفس کا تزکیہ
 ہو جائیگا وہ عملی طور پر کمال اللہ کہہ لیگا۔ اس وقت حسین کی محبت پیدا ہوگی۔ جو عین
 حب رسول اللہ ہی حب اللہ ہے۔ اور حب اللہ ہی سبب وجوب جنت ہے۔
 لہذا حسین پر رونے سے جنت واجب ہو جاتی ہے۔
 اب تو بالکل واضح ہو گیا کہ مَنْ يَكُنْ عَلَى الْحُسَيْنِ كَمَا مَفْهُوم حَقِيقَتِی کیلئے۔
 دیکھئے جو شخص حسین پر دوئے اور مصائب حسین اس غرض سے سنے کہ اپنے دل کو
 درد و الم سے بھر سکے اور تڑپ پیدا کرے۔ تو چند سال میں ہی اس کے نفس کی
 غفلت اور لاشعوری دور ہو جائے گی۔ اور اسکو اور حقیقت مل جائیگا کہ جب اللہ
 حاصل ہو جائیگی۔ اشیاء غیب کا شعور ہو جائیگا۔ لہذا وہ شخص خواہ سکھ ہو یا ہندو
 شیعہ ہو یا سنی۔ عیسائی ہو یا یہودی مومن ضرور ہو جائیگا۔ پھر خواہ وہ ایمان کو
 دل میں چھپائے رہے یا ظاہر کر دے۔ اسکا اسکو اختیار ہے۔
 عزاوار یہ امر تو بالکل واضح ہو گیا کہ حسین پر رونے سے جنت کس طرح

واجب ہو جاتی ہے مگر ایک خیال مجھ کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ کہ حضور سرور کائنات نے اپنی اولاد کی قربانیاں امت کی نجات کی واسطے ہی پیش کی ہیں۔ اور امام حسین علیہ السلام نے امت کے گناہ بخشوانے کیلئے ہی اپنا سر دیا ہے۔ حسین گنہگار ان امت کی شفاعت فرمادے گئے۔ پھر سجدی نجات تو یقینی ہے نہ

حارف :- بھائی یہ تو درست ہے۔ کہ حسین نے امت کی شفاعت کا بیڑا اٹھا کر اپنا خون بہا نجات خلق کو ہی ٹھہرایا ہے۔ مگر آپ لوگوں کا یہ خیال کہ حسین نے ذبح ہو کر ہمارے گناہ معاف کر دئے اور ہمیں آخرت میں بخشوا دیگا۔ کس قدر قابلِ شرم ہے۔ گناہ تو خود کریں۔ امام حسین کو قربانی کا بھرا ٹھہرایا۔ یہ عقیدہ تو عیسائیوں نے لیا گیا ہے کہ امت کے گناہوں پر حضرت عیسیٰ قربان ہو گئے۔ اب اہل دنیا آزاد ہیں جتنے چاہیں گناہ کریں صرف گرجا میں جا کر اعتراف گناہ کر لیا کریں۔ سارے گناہ پہلے ہی بخش دئے گئے ہیں گناہ سے پہلے ہی خدا کا بیڑا تیل کے گناہ کی مزا پا چکا۔ ایسا ہی آپ کا بھی مقصد ہے۔ کہ قیامت تک پیدا ہونے والے شیعوں کے گناہوں کی مزا کر بلا میں آلِ رسول کو مل گئی۔ تف ہے ایسے فاسد عقیدے پر ۔

عزادار :- آپ خود ہی تو کہہ رہے ہیں حسین شفاعت کریگا۔ اور اس نے اپنا خون بہا نجات مخلوق کو قرار دیا ہے ۔

حارف :- سخت افسوس ہے۔ کہ آپ کسی بات پر غور نہیں کرتے۔ دیکھو تمام دعاؤں میں خاص کر جو شن کبیر میں دکھلایا گیا ہے کہ خدائی کا مونہ راز کیا ہیں۔ روز پڑھتے ہو اور نہیں سمجھتے۔ آپ پڑھتے ہیں یا نہیں یا کافی لمن استشفاه یا شافی لمن استشفاه۔ یا ناصر لمن استنصره۔ یا خافِع لمن استغفرہ اے کفایت کر نیوے اسکے جو اس سے کفایت چاہے۔ اے بیماریوں سے اچھا

کر نیوالے اسکے جو اس سے یہ چاہے کہ مجھے بیماری سے اچھا کر دے۔ اے مددگار اس کے
 جو اس سے مدد چاہے اور اے بخشنے والے اسکے جو اس سے بخشش چاہے اور ایسے
 ہی فقر و غنا و عافیت بھری پڑی ہیں۔ اب بھی سمجھو اور غور کرو کہ خدا کا مہر و نیاؤ
 آخرت کا انحصار ہماری اس زندگی میں رغبت اور خواہش کرنے ہی پر ہے۔ پس
 حسین کی شفاعت کا انحصار بھی ہماری رغبت اور خواہش پر ہے۔ حسین اسی کی
 شفاعت کریگا۔ جو اس سے شفاعت چاہے۔ وہ دنیا و آخرت کا شفیع ہے جس نے
 دنیا میں حسین سے شفاعت چاہی۔ اسی کی آخرت میں بھی شفاعت کریگا جو شخص
 دنیا کی محبت اور نفس پرستی میں مبتلا ہو اور حسین سے شفاعت چاہے یعنی حسین
 کو واسطہ اور ذریعہ قرار دے اس کے مصائب اور مناقب سننے کو اپنے نفس کی طہارت
 کا ذریعہ بنائے۔ اسکو خدا پاک کر دیگا۔ اور اگر زندگی دنیا میں طہارت اور تزکیہ میں
 کمی رہ جائیگی۔ تو یہی حسین سے لو لگائے رہنا عالم برزخ میں فدیہ تزکیہ ہو جائیگا۔ اور
 اگر عالم برزخ میں بھی کچھ کمی رہی تو قیامت میں پوری ہو جائیگی۔ مگر جب کوئی
 چاہے ہی نہیں۔ تو پھر بدالکباد عذاب خدا میں گرفتار رہیگا۔ اور دنیا میں سوائے
 حسین کے اور ایسی کوئی ہستی ہے۔ جو ہٹ الٹ ہو۔ پروردگار و دہو۔ خداوند غم ہو
 کہ جس کی صرف یاد و حالت لا شعوری میں ہی نفس میں تڑپ پیدا کر دے +
 دیکھو جب دنیا و آخرت کے تمام کاموں کا انحصار انسان کی اپنی رغبت پر ہو تو کوئی
 شخص نہ عراط مستقیم دیکھ سکتا ہے نہ اس پر چل سکتا ہے۔ اور نہ ہلاکت ابدی سے
 نجات پاسکتا ہے۔ جب تک کہ اسکو خواہش و رغبت نہ ہو۔ گویا رغبت نفس انسان
 ہی دنیا و آخرت میں فوز عظیم کا ذریعہ ہے۔ اور حسین نے اپنا خون بہا ایک رغبت کو
 قرار دیا ہے جو ذریعہ نجات ابدی ہے فطرت انسانی ہے کہ منظوم سے ہر نفس میں
 ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ اور دل اسکی طرف کھینچنے لگتا ہے جو رغبت پیدا کرنے کا

بہوت ہے حسین کی طرف رغبت ہی باعثِ ہدایت اور سببِ بخشش ہے۔ اور یہی حسین کی شفاعت ہے۔ وہ تو رحمت للعالمین کا فرزند ہے اس نے تو تمام عالم کے ہر فرد کیلئے خواہ کسی قوم کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو بخشش اور شفاعت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ آپ اسکو اپنے گروہ پر منحصر سمجھے بیٹھے ہیں۔ اللہ اکبر حسین کی محبت کی یہ نشان کہ وہ تو تمام مخلوق سے محبت کرنے کا سبق پڑھائے، اور آپ حسینی ہونیکے معنی ہو کر نفرت کو جزو مذہب قرار دیں +

عزادار۔ مگر جناب تو لاؤ تبرا تو فروعِ دین سے ہے اور جزو مذہب ہے۔ یہ آپ کیسی باتیں کرنے لگے۔ تبرا تو لازمی چیز ہے کیا ہم تبرا کرنا چھوڑ دیں۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے پھر تو ہم اسلام سے ہی خارج ہو جائینگے +

عارف۔ بھائی صاحب یہ سب لاشعوری کی باتیں ہیں میاں کا اللہ تبرا اور لا اللہ تو لا ہے۔ یہ تو اصل اصولِ دین ہے۔ اسکو فروعِ دین کون ہیوقوف کہتا ہے۔ بلکہ خود تو لا کی بنا ہی تبرا پر ہے۔ جیتک تبرا نہ ہوئے تو لا ہو ہی نہیں سکتا مگر آپ تو یہ فرمائیے کہ آپ خود بھی تبرا کرتے ہیں یا نہیں +

عزادار۔ تبرا تو ہمارا دین ہے تبرا تو ہمارا ایمان ہے۔ ہم تو دشمنانِ اہلبیت پر لعنت کہنا اپنا دین سمجھتے ہیں۔ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ کیا کریں +

عارف۔ کیوں جناب کیا لعنت کہنا تبرا ہے +

عزادار۔ جی ہاں تبرا نہیں تو کیا تو لا ہے۔ اسی طرح تو تبرا کہا جاتا ہے اور کیا تبرا کے سرسینگ ہوتے ہیں +

عارف۔ آئیے میں تبرا کے سرسینگ بھی دکھلا دوں۔ دیکھئے۔ جناب امیر المومنین نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہو گا۔ جب تم سے کہا جائے

کہ تم علی پر لعنت کہو۔ تو وہ بزرگ رونے لگے اور عرض کی موٹے۔ میں اس وقت کیا کروں۔ موٹے نے فرمایا۔ کہ مجھ پر لعنت کہہ دینا مگر مجھ سے تبرا نہ کرنا۔ اس لئے کہ میں حق پر ہوں۔ اب آپ یہ بتلائیے کہ آپ جو لعنت کہنے کو تبرا سمجھے ہوئے ہیں یہ کہاں تک درست ہے؟

عزادار۔ یہ تو واقعی حیرت کی بات ہے۔ جب لعنت کہنا تبرا نہیں ہے تو پھر تبرا کیا ہے؟

عارف: بجا تھا صاحب تمام اسلام اور سارے کاسارادین کا اللہ کا اللہ میں بھرا ہوا ہے۔ اسی پر آپ غور نہیں کرتے۔ یہ تو میں آپ پر پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ لا الہ کہنے سے لا الہ ہو نہیں جاتا۔ بلکہ پہلے لا الہ پر عمل کہو تب کہو گے تو سچ رہا۔ ورنہ جھوٹ اور نفاق جس طرح لا الہ پر عمل کر کے زبان سے کہنے سے اس عمل کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تبرا عمل کا نام ہے۔ جو کیا جاتا ہے۔ اور جب پورا پورا عمل کر لے تب اس کا مستحق ہوتا ہے کہ زبان سے بھی اس کا اظہار کر سکے بھائی سمجھو تبرا کے معنی بیزار ہونا، چھوڑ دینا کسی سے تبرا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اُسکی نقل نہ کریں۔ اسکے جیسے کام نہ کریں اس کی پوشاک اسکی بدو و باش اسکی طرز معاشرت کو اختیار نہ کریں۔ بلکہ اس سے پرہیز کریں۔ کہ کسی بات میں کسی چیز میں خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی اس سے مشابہت نہ رکھیں۔ اس لئے کہ اگر مشابہت ہوئی۔ تو حدیث من تشبه بقوم کی رو سے ان ہی میں سے شمار ہوگا۔ اور تو لا کے معنی محبت کرنا۔ محبت کا مقتضی ہے محبوب کی نقل کرنا۔ اسکے جیسے کام کرنا اس کی جیسی خواہشات و جذبات بنالینا۔ اب آپ خود ہی خود کریں۔ کہ آپ کی زندگی کافی دنیا آپ کے اعمال آپ کا طرز و کوشش آپ کے خواہشات آپ کے جذبات یہ تمام اہلیت سے مشابہت رکھتی ہیں یا نہ یہ یاد دلاتا ہے جن کی تصویر میں

اب بھی دیکھا کہ آپ تو اہلبیت سے تبرّاً اور اُنکے قاتلوں سے تولا کر رہے ہیں اور زبان سے اہلبیت سے تولا اور اُنکے قاتلوں سے تبرّے اظہار کر رہے ہیں۔ پہلا اس کے بعد کرنا حق عظیم اور کیا ہو سکتا ہے بحقیقہ آل رسول محاسب کے لئے کیلئے آئینہ الازہار وقت قریب ہے اب بھی توبہ کر کے اہلبیت کے قاتلوں سے تبرّا کریں۔ تاکہ اہلبیت سے تولا کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ بغیر اُنکے قاتلوں سے تبرّا کئے اہلبیت سے تولا ممکن ہی نہیں۔

عزّادار۔ جب بقول آپ کے ہم بالکل غلط استہ پر ہیں۔ تو عزّاداری میں جو اکثر معجزات و کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے کیا یہ ہماری حقّ کی دلیل نہیں؟

عارف۔ جناب جو قوم بھی عزّاداری کرتی ہے۔ ہندو، سکھ، جنتی، شیعہ اسمعیلی ہر ایک کے یہاں معجزات و کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ حسین کی حقانیت کی دلیل ہے۔ نہ کہ ان لوگوں کی جو عزّاداری کرتے ہیں۔ اگر اسکو عزّاداری کی حقانیت کی دلیل ٹھہرایا جائے تو غیر مسلم عزّاداروں کے یہاں معجزات و کرامات کا ظہور آپ لوگوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ لہذا غیر شیعہ عزّادار بہ نسبت شیعہ کے زیادہ حق پر ثابت ہونگے۔

عزّادار۔ ہاں۔ بات تو ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ آج تو آپ نے میری آنکھوں سے بڑی غفلت بٹا دیا۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ جناب نے تو حدیث بکی علی الحسین کو قرآن سے ثابت کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ لیکن بجائے اس کے ہماری جڑ بنیاد ہی کھود کر پھینک دی۔

عارف۔ آج جناب کو شعور ہی نہ ہو۔ تو میں کیا کروں۔ میں تو اسکو ثابت کر چکا۔ اگر آپ اور وضاحت چاہتے ہیں۔ تو یہ بتلائے کہ مخلوق پر خدا کی عبادت قرآن

کی رُوسے واجب ہے یا نہیں کیا قرآن نے بارہا تکرار نہیں کیا فاعبد فی میری عبادت کہ اے فاعبد و من میری عبادت کہ و کیا یہ امر کے معنی نہیں ہیں ؟

عزادار۔ بھائی میں اس سے کب الٹا کرتا ہوں قرآن نے ضرور کہا ہے اور یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ خدا کی عبادت واجب ہے ؟

عارف۔ ذرا یہ تو بتلائیے کہ عبادت کے معنی کیا ہیں ؟

عزادار۔ عبادت کے معنی بندگی کرنا۔ غلامی کرنا ؟

عارف۔ غلام کس کو کہتے ہیں۔ وہ کون ہوتا ہے ؟

عزادار۔ غلام اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کا مملوک ہو یا آزاد نہ ہو ؟

عارف۔ اچھا تو مطلب یہ ہوا کہ غلام یا بندہ یا عبد اس ذات کو کہیں گے جو

اپنی ذات کا خود مالک و مختار نہ ہو۔ بلکہ غیر اس کا مالک ہو جس کو اس غلام کی ذات پر

مالکانہ تصرف کا حق حاصل ہو تو جب مملوک عبد ہوا تو مالک اس کا معبود ہوا

اور جو خدمت جو کام مالک کیلئے غلام کرے گا۔ وہی اس غلام کی عبادت ہوگی ؟

غلام نہ ہونے کی حالت میں اپنی ذات کی واسطے جتنے کام ایک شخص خود کرتا ہے غلام

کی موجودگی میں آقا کے کر نیکے کام اسکے واسطے غلام سرانجام دیتا ہے۔ یہی اس عبد

کی عبادت ہے۔ معبود حقیقی کے غلام سوچو اور سمجھو تمہارا آقا اپنی جلالت قدر کے سبب

اپنا کوئی کام بلا حجاب اور بلا واسطہ نہیں کرتا۔ رزق پہنچاتا اس کا کام ہے۔ ایک

رازقیت پر ہی کہتے حجاب ڈالتا ہے کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اپنے بندوں کو پکی پکی

روٹیاں آسمان سے بھیج دے۔ بلکہ مٹی کھا دے۔ ہل۔ بیل۔ کاشتکار۔ زمیندار۔ بازار۔ بقال

خریدار۔ آگ۔ پانی۔ ہوانہ۔ پز وغیرہ وغیرہ جب اتنے حجاب رازقیت پر پڑ چکے ہیں

تب کہیں روٹی کھانی نصیب ہوتی ہے ؟

غرضیکہ صفات الہیہ کا منظر بننا ہی عبادت ہے بشرطیکہ وہ کام خالصتہً لوجہ اللہ کیا گیا ہو۔ مثلاً عقد کا مقصد صفت خالقیت کا اہل و عیال کی پرورش و تربیت بوبیت امداد از قیت کا منظر بننا ہے اگر یہ تمام کام تسکین جذبات کیلئے کئے تو بندگی نفس اور شرک ہے اور اگر خدا کیلئے کئے تو عبادتِ اب دیکھنا چاہئے کہ افضل ترین عبادت کیا ہے۔ انسان کیلئے نعمت حقیقی حیات ابدی ہے۔ اور جناب رب العزت ہی عطا نور و امداد فی خلق ہے لہذا اس صفت کا منظر بننا یعنی تزکیہ نفس مخلوق کی کوشش کرنا افضل ترین عبادت ہے۔

اب بھی خیال شریف میں آیا کہ حسین پر حصولِ درو کے لئے رونا خواہشات و جذبات کو مٹانے کا ذریعہ ہے جبکہ بغیر عبادتِ الہی ناممکن ہے۔ لہذا عزائے حسین قرآن کی رو سے واجب قرار پاتی ہے۔

عزادار۔ مجلس کا تو آپ نے ثبوت دیدیا۔ حسین پر رونے سے واقعی بہت واجب ہوتی ہے اور قرآن کی رو سے واجبات میں سے ہے۔ مگر تباکی پر روشنی نہ ڈالی کہ رونے والے کی صورت بنانے پر جنت کیسے واجب ہوتی ہے؟

عارف۔ غور کیجئے نفس انسان کی فطرت ہے کہ جو علامات ظاہری کسی جذبہ سے جسم پر ظاہر ہوتی ہیں۔ اگر اراداً وہی کیفیات اعضاء ظاہری پر طاری کی جائیں تو نفس بھی اس جذبہ سے متاثر ہوتا ہے۔ اور اسی جذبہ کی لہر میں نفس میں اٹھنے لگتی ہیں۔ مثلاً جو حالت اور جو آثار ظاہری جسم انسان پر جذبہ غم میں طاری ہوتے ہیں۔ اگر وہی آثار بالادادہ تصنع کر کے جسم پر طاری کئے جائیں تو نفس پر بھی جذبہ غم طاری ہو جائیگا۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ اگر کوئی شخص غم میں صورت بنائے تو اس کے نفس پر بھی کیفیت غم طاری ہوگی۔ اسی کو تباکی یعنی رونے والے کی صورت بنانا کہتے ہیں۔ لہذا صرف بلکی ہی نہیں تباکی بھی قرآن کے حکم سے

واجب ٹھیکرتا ہے کیونکہ اسی سے اصلاح نفس ہوتی ہے۔ اور علیٰ طبع پر کمالہ
 کہنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ایمان لانا ہر فرد پر قرآن کی رو سے واجب ہے۔ اور
 یہ ایمان لانا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ لہذا واجب ہوا +

عمر اوار:۔ رونے لانے اور نکلنے صورت بنانے کے درجہ کا ثبوت
 تو آپ کے خوب دے دیا۔ مگر علم برداری اور ماتمی جلوس کے نکلنے کا ثبوت
 آپ نے کوئی تذکرہ نہ کیا۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

عارف:۔ دیکھو یہ بات تو ثابت ہو چکی۔ کہ حسین کے مصائب لوگوں
 کو ستانا ان کے نفوس کو لا الہ کی طرف بلانا اور بتنگی نفس سے ہٹا کر خدا کی
 طرف مائل ہے۔ یہ پہلے تفصیلاً ثابت کر چکا ہوں۔ یہاں تکرار کی ضرورت نہیں۔

اب آپ اس پر غور کریں۔ کہ اگر کسی گھر سے رونے کی آوازیں بلند ہوں۔
 تو تمام اہل محلہ سبب گریہ دریافت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور ان کے
 نفوس کو سکون نصیب نہ ہوگا۔ جب تک کہ سبب معلوم نہ کر لیں۔ مگر یہ چیز اہل
 مجلس کے ہمسایہ تک محدود رہی۔ دیگر اہل شہر کو واقعیت حاصل نہ ہوگی۔

اب آپ غور کریں۔ کہ ایک شخص بازار میں روتا ہوا نکل جائے۔ تو تمام بازار
 والوں میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا۔ جو یہ نہ دریافت کر لے۔ کہ میاں تم دمے
 کیوں ہو۔ اور اگر رونے کے ساتھ سینہ بھی پیٹ رہا ہو۔ اور اپنا برا حال بنایا ہو
 ہو۔ تو کیا کوئی فرد بھی تنہا شایوں میں ایسا ہو سکتا ہے۔ جو سبب معلوم کرنے کے
 لئے بے چین نہ ہو جائے۔ اور تاثر قبول نہ کرے۔ سوائے اس کے جو مشاوت
 انہی میں مبتلا ہو۔ لہذا ثابت ہو گیا۔ کہ حسین کا مخلوق خدا سے تعاون کرانے کے لئے
 ہر وہ طریقہ جس سے لوگوں کے قلوب پر اثر ڈالا جاسکے۔ اختیار کرنا لازم ہے خواہ
 ہر وہ شاعر ہی ہو یا راگ و راگنی۔ تان و گنگری ہو یا لے اور مسر۔ مضمون

افرنی ہو یا طیف گئی چھاتی پٹینا ہو یا پشت زخمی کناسب چیزیں للہ می ہیں مگر حسب
ضرورت اس کیلئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جس مذاق کے لوگ ہوں جس طریقہ سے وہ
اثر قبول کر سکتے ہوں وہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اگر یہ سب کچھ حصول مقصد کیلئے کیا جائے
تو خدا کی عبادت۔ اور اگر محض ادائے رسم ہو اور میرے مذہب کے جذبہ کی تسکین کیلئے
ہو جو باعث حفظ نفس ہے تو خدا کی لعنت اور اس کا نذاب ہوگا۔

یہ امر تو بالکل واضح ہو چکا کہ بازاروں میں ماتمی جلوس نکالنا حسین کا ذکر لوگوں
تک پہنچانیکا بہترین ذریعہ ہے۔ اور حسین کی طرف توجہ دلانا لا الہ الا اللہ کی طرف
بلانا ہے۔ جو کہ اچھے نفوس کا باعث ہے۔ اور قرآن کہتا ہے۔ من قتل نفساً
فکان قاتلہ نام جمیعاً ومن احیایا فکانما احیانا جمیعاً جس نے
ایک نفس کو قتل کیا۔ تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے ایک نفس کو
زندہ کیا۔ اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔ اللہ اکبر اس سے بہتر اور کونسی
عبادت ہو سکتی ہے۔ یہی افضل ترین عبادت ہے۔ اور کلام اللہ کی رو سے واجب

۴۰

عزادار حسینؑ یہاں تو آپ نے واضح ثبوت پیش نہ کیا۔ اگر آپ یہ کہتے
کہ ماتمی جلوس نکالنے سے اندرون جنت واجب ہوتی ہے تو ایک حد تک
صحیح تھا مگر آپ قرآن سے اس کا وجوب نہیں ثابت کر سکے۔

حارف۔ بھائی دیکھو مجلس کے متعلق تو میں دکھلا چکا ہوں کہ یہ لا الہ
کہنے کا ذریعہ ہے اور لا الہ کہنا فاعبہ فی کی اطاعت قرآن جگہ جگہ پکار پکار کر کہہ
رہا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ پس ایمان لا نا قرآن کی رو سے واجب ہے یا نہیں؟

عزادار۔ جی ہاں ایمان لا نا تو ہر شخص پر واجب ہے۔

حارف۔ پھر تو بغیر لا الہ الا کہے کوئی ایمان لا سکتا ہے؟

عزادار۔ بغیر اللہ کا اللہ کہے کوئی ایمان نہیں لاسکتا +

حارف۔ اچھا تو قرآن کی رو سے لا الہ الا اللہ کہنا واجب ہوا۔ لا الہ الا اللہ
اسکو تک نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک کہ عملی طور سے لا الہ نہ کہہ لے۔ اور اس کیلئے بہترین ذریعہ
عزائے حسین ہی ہے۔ لہذا از روئے قرآن واجب ہوا +

دیکھو قرآن کی رو سے ایمان لانا واجب۔ ایمان لائیے لئے لا الہ الا اللہ کہنا لازم
اور لا الہ الا اللہ کہنے کیلئے لا الہ عملی طور پر پہلے کہنا واجب۔ جو عزائے حسین ہی سے
ہو سکتا ہے لہذا عزائے حسین قرآن کی رو سے سارے واجبات میں سب سے
پہلا واجب ہے +

عزادار۔ یہ آپ نے کیسے فرما دیا۔ کیا صرف عزائے حسین پر ہی لا الہ کہنے کا
دار و مدار ہے +

حارف۔ بھائی نہ خیال تو فرمائیے۔ کہ لا الہ کہنے یعنی نفس کشی کہہ کے خواہشات
اور جذبات پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے اگر حسین کا دامن نہ پکڑا جائے۔ تو صرف دو اور
راستے رہ جاتے ہیں (۱) جہاد بالسیف (۲) ریاضات اور مجاہدات نفسانی +

انہیں سہل ترین ذریعہ قتال فی سبیل اللہ ہے۔ جب انسان ساری دنیا سے تعلقات
منقطع کر کے خدا کی راہ میں مارنے کیلئے نکلتا ہے۔ تو اس کا نفس دنیا سے بے تعلق اور
تمام خواہشات و جذبات سے منقطع ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ قربانی دینے کی نیت سے
ہی نکلا ہو۔ اور تو جہاد الی اللہ کرنے کے پلا ہو۔ مگر چونکہ شرابی پر جانے میں موت کا یقین
کامل نہیں ہوتا اس وجہ سے ہر شخص مرنے کیلئے گھر سے نہیں نکلتا بلکہ ترکینہ بھی
یقینی نہیں پس یہ طریقہ مجاہدات نفس کیلئے ناقص قرار پاتا ہے۔ لبہ ہی دوسری صورت
اس کیلئے مدت عیدہ کا رہے کم از کم بیس سال تو مجاہدہ نفس میں گزارے۔ تب
کہیں لا الہ الا اللہ عملی طور پر کہہ سکیگا +

عزادار۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ آپ کا دعویٰ وجوب عزائمیں نہیں معلوم ہوتا۔ اسلئے کہ ایک شخص عزائمے حسین کی بجائے مجاہدہ نفس اختیار کرنا ہے مقصد تو لا الہ کہنا ہے۔ سو وہ بھی کہہ لیگا۔

عارف۔ دیکھتے ہیں ابھی ثابت کئے دیتا ہوں۔ سنئے ہر شخص پر لا الہ الا اللہ کہنا اور غیر اللہ کو دے نکال دینا واجب ہے یا نہیں؟

عزادار۔ جی ہاں واجب ہے۔

عارف۔ اچھا تو بتلائیے جس شخص پر آج یہ امر واضح ہو جائے کہ لا الہ الا اللہ کہنا لازم ہے تو اس پر یہ آج ہی واجب ہو گیا یا پس برس بعد۔

عزادار۔ ہاں۔ ہاں۔ یہ بات تو واقعی ٹھیک ہے۔ وہ تو شعور میں آتے ہی اور معلوم ہوتے ہی کہنا واجب ہو جائیگا۔

عارف۔ اچھا بتائیے اگر کوئی راستا ایسا ہو کہ جس سے ایک دن میں کالہ علیٰ طور پر کہا جاسکے۔ تو کیا اس کا اختیار کرنا واجب نہ ہو گا اسلئے کہ اگر اس نے وہ اختیار نہ کیا تو آج کالہ نہ کہہ سکیگا۔ پس جب کالہ کہنا واجب اول اور سب سے پہلا فرض ہے تو جو شخص علم رکھتے ہوئے چھوٹے سے چھوٹا راستہ چھوڑ کر راہِ طویل اختیار کرے گا۔ وہ بہت عرصہ تک ترک واجب میں بند رہے گا۔ اور اگر کالہ کہنے سے پہلے موت آگئی تو چونکہ اس نے چھوٹے سے چھوٹا راستہ اختیار نہ کیا تھا اپنے ان اعمال کا معاذہ بھی نہ پاسکیگا۔ جو وہ بجا لاتا رہا بلکہ ترک واجب کے سوا خذہ میں گرفتار ہو گا۔

عزادار۔ ہاں بھائی اب تو بالکل واضح ہو گیا۔ کہ عزاداری حقیقتاً واجب ہے۔

عارف۔ ہاں۔ بتو آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا۔ اب یاد رکھیں کہ قرآن کے حکم سے لا الہ کہنا واجب اور جسوقت شعور ہو اس وقت واجب مگر چونکہ اس کے کہنے میں کچھ نہ کچھ مدت ضرور صرف ہوتی ہے۔ لہذا سہل ترین راستہ کا اختیار کرنا بھی

قرآن کے حکم سے مخلوق خدا پر سب سے پہلا واجب اس لئے عزائے حسینؑ اسلام کا
فرض اولین ٹھہرتا ہے ۞

اسی مرت مخلوق خدا کو لا الہ الا اللہ کی طرف بلانا تمامی عبادات سے افضل و برتر ہے
تبلیغ و اشاعت لا الہ الا اللہ واجب ہے جو اگر وہ خط و پند کے ذریعے کی جائے تو
لوگوں کے نفوس حالت شعوری میں یعنی بالادادہ توجہ کر ہی نہیں سکتے۔ اذعالت
لا شعوری میں اس سے متاثر ہونا محال۔ لہذا حسینؑ کے ماتمی جلوس کے سوائے اور
کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہو سکتا جس سے مخلوق خدا کے نفوس کو حالت لا شعوری میں
لا الہ الا اللہ کی طرف بلایا جاسکے ۞

پس واضح ہو گیا کہ حسینؑ کے ماتمی جلوس کا نکالنا بحکم خدا واجب ہے عزیز
من آپ نے دیکھا کہ ہمارے پاس جناب رب العزت کی کتنی بڑی نعمت موجود ہے
اگر اس قدر لائق شکر و ثناء جاتا۔ تو اب تک تمام روضے زمین پاک و پاکیزہ ہو جاتی مگر دانی
بر حال ماکہ ہم نے اسکو نجاست بلنی بعد کرنے کے بجائے زیادتی شرک کا ذریعہ بنالیا۔ یہی
سبب ہے کہ شیعہ حضرات اکثر ایسے کام کرتے نظر آئیں گے جو قربانی حسینؑ کے
ذبح کیلئے مترادف ہیں ۞

عزادار۔ حضرت خدا کے واسطے بتائے وہ ایسے کو فہم کام ہیں ۞
عارف۔ دُستور آپ اتنا تو سمجھ ہی چکے کہ حسینؑ مظلوم کی اس عظیم قربانی کا
مقصد لوگوں کے دلوں کو دے سے بھر کر نجاست شرک سے نکالنا اور نہ محنت عطا کرنا ہے
فطرت انسانی ہے کہ درد و مصیبت کا حال سکر قلب میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے
جس سے حق سننے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ اب آپ خود ہی خود کر لیں کہ جو کام لوگوں کے
دلوں میں شقاوت پیدا کرے۔ نفرت اور نفرتی بڑھائے۔ وہ خونِ حسینؑ کے اثر کو شانوارا
ہو گیا یا نہیں ۞

عز و اوار۔ بھائی پھر ہم کو نئے ایسے کام کہتے ہیں۔

عارف ملو سنو اس تمام ماتم مجلس مرثیہ طہر داری کا مقصد وحید تو یہ تھا کہ پہلے اپنے اور بعد دیگر مخلوق خلق کے نفس کو نجاست شرک سے پاک کرتے۔ مگر آپ نے اپنی جہالت کی وجہ سے مجالس میں دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کی ہجو شروع کر دی جس سے لوگوں کے دلوں میں سختی اور تشاوت پیدا ہوئی۔ اور نجاست شرک بڑھتی رہی۔ دوسروں کو تو آپ نے یہ نقصان پہنچایا۔ اب فرد اپنے نفوس کا حال بھی ملاحظہ فرمایا یہ تو میں پہلے واضح کر چکا ہوں کہ ہجو سننے سے نفس بہت محفوظ ہوتا ہے۔ اور مقصد ذبح عظیم انقطاع حظ نفس ہے نہ کہ اسکا حصول۔ لہذا آپ نے اپنے نفوسوں میں بھی نجاست شرک بڑھائی۔ اور یٰٰھُوْا رُوْفَ عَنْ مَّبِیْلِ اللّٰہِ (وہ لوگ خبیث) کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اس کے مصداق بن گئے۔ یا سئلے کہ اہلبیت ہی تو رسول اللہ ہیں۔ اپنے نفس کو بھی حصول تزکیہ سے روکا اور دوسروں کو بھی گویا اپنے مقصد ذبح عظیم پر کھانا چلا کر عذاب خدا غریب لیا۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ شعرو شاعری نے اور مترنل اور سیم اور مغمون نگاری نکات افرینی شیریں بیانی لطیفہ گوئی میں جو حظ نفس کو حاصل ہوتا۔ وہ کسی دوسرے کام میں نہیں ہوتا۔ شعر سے تو بعض اوقات اتنا حظ حاصل ہوتا ہے کہ موت بھی واقع ہو جاتی ہے یہ ساری چیزیں نفس کیلئے باعث حظ عظیم ہیں۔ اعلان سب کے علاوہ رونے سے جو سرور حاصل ہوتا ہے وہ مستزاد ہے یہیں پر حد نہیں بلکہ تمیرے مذہب کی اداۓ رسم کچھ اور بھی محفوظ سرور بڑانے کا سبب ہے۔ لہذا ہم نے مجالس عزا کو ذہنی عیاش خانہ بنا رکھا ہے۔ عجاوید عالمیوں سے زیادہ مضر ہے۔ اس لئے کان کا نال برا سمجھ کر کرتا ہے۔ اس کو شعور ہوتا ہے۔ لہذا کئی مصیبت پڑ جانے پر ان سے بچ جانا ممکن ہے۔ مگر ذہنی عیاشی سے جو بہترین عبادات سمجھ کر کی جا رہی ہو مگر ادا محفوظ ہو جانا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

اب تو فاضل ہو گیا کہ مجھ اس عزا کو مقصدِ نفعِ عظیم کے خلاف باعثِ تسکین جنابتِ از و یادِ شرک بنالیا گیا ہے۔ اب آپ ہی بتلائے کہ یزید نے جہاں حسین علیہ السلام کو شہید کیا اس سے تو حسین اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے مگر آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ اسکا نتیجہ حسین کی قربانیوں کا نفع کرنا ہے یہی سبب ہے کہ عذابِ خدا کے نزدیک اور رحمتِ ایزدی سے دور ہو جاتے ہیں اور دیکھئے کہ لاشعوری کے سبب اس نفسِ پستی کے دے کو جس سے بطورِ روئے عمل کیف و سرور حاصل ہوتا ہے مالِ مجلس سمجھ لیا۔ لہذا ہر وہ تار ہی اختیار کرے کہ فی شرموع کر دی۔ جس سے خوب رویا اور لایا جاسکے :

نفس کے جذبہ بھردری کو اسی وقت ٹھیس لگتی ہے۔ کہ جب خود اس کے جنابت کی تصویر سامنے آتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ بڑھے کو بڑھے سے جوان کو جوان سے بچہ کو بچہ سے عورت کو عورت سے سعادہ و نکی نسبت زیادہ بھڑدی ہوتی ہے پس اگر ایک شخص جسکا جوانِ فرزند مر گیا ہو۔ نہایت المیدان اور سکون سے بیٹھا ہو اس کے چہرہ پر فدا بھی حزن و ملال کے آثار نہ ہوں۔ اسکو دیکھ کر ہمارے جذبہ بھڑدی کی لہر بہت خفیف اٹھتی ہے۔ اور ہمارے دل پر بہت ہلکا اثر ہوتا ہے۔ برخلاف اسکے اگر اس لہر مرده شخص کو ہم یہ دیکھیں کہ زار و قطار رو رہا ہے۔ سر پیٹ رہا ہے۔ فریاد کر رہا ہے۔ بین کر رہا ہے کہہ رہا ہے۔ اے میری آنکھوں کے تارے۔ ہاتے میری ضعیفی کے سہارے ارے تو کہاں چلا گیا۔ بیٹا۔ پیارے بیٹا۔ کیا تم بوڑھے باپ سے ناراض ہو گئے۔ پیارے بیٹا مجھ سے کیا قصور ہو گیا تھا۔ ہاتے۔ ہاتے۔ ارے لوگو دیکھو۔ اسے کوئی خدا کیواسطے میرے بیٹے کو بلا رہا۔ وہ روٹھ گیا ہے۔ منادو۔ اسے کوئی نہیں آتا۔ ہاتے کسی کا دل نہیں لپیٹتا۔ ارے میں آپ ہی جاؤں۔ اپنے لعل کو ڈھونڈ کے لالوں۔ اپنے موتی کو منافق ہاتے

مثلاً۔ ارے تو کہاں چلا گیا ہے تیرے دنیا کی کچھ بھی بہانہ دیکھی وغیرہ وغیرہ۔ تو ہم پر
اسکے دیکھنے ہی اثر ہوتا ہے۔ ہمدردی کی شدید لڑاؤ مٹتی ہے۔ دل متاثر ہو جاتا ہے
یہی سبب ہے کہ جب کہ بلا والوں کے جذبات والیہ کی تصاویر لوگوں کے سامنے پیش
کی گئیں۔ تو وہ رونے لگے۔ اور متاثر نہ ہوئے۔ اور ہو بھی نہیں سکتے تھے۔ اس لئے کہ
اس کیفیت کا تصور تو نفس کو ہی نہیں سکتا کہ جوں جوں حسین کے انصار
بھانجے بھتیجے بھائی بیٹے قتل ہوتے رہے۔ سرور بڑھتا رہا۔ چہرہ پر سرخی دھڑکتی
گئی۔ جناب زینب علیا وقت شہادت حسین شیلہ زینب پر کھڑی ہوئی ہیں پیلا
بھائی تو ذبح ہو رہا ہے۔ اور بہن دربار ایزدی میں دعا کر رہی ہے خداوند ہمارا
اس قربانی کو قبول فرما۔ ان بزرگوار و نکاحیاد کو ہو سکتا ہے جنکے بچوں کی یہ حالت ہو
کہ ایک چار سار لڑکی کے سامنے اسکے پیارے باپ کا سر نوں نیزہ پر نصب ہو۔
کان کی نو بندے چھن جانیسے زخمی ہو گئی ہو۔ رخساروں پر ٹاپنے لگائے جا رہے
ہوں۔ اور کوئی حرف شکایت زبان پر نہ آتا ہو۔

ضرورت تو یہ تھی کہ اپنے نفسوں کو اس کا شعور دلاتے کہ حسین ہم کو ایسا
بنانا چاہتا ہے۔ کہ ہم دنیاوی مصائب و آلام سے سرور حاصل کرنے لگیں حسین
کا حق تو ہم پر یہ تھا کہ ہم دنیا کو یہ دکھلاتے کہ آل رسول اور اُنکے محب ایسے تھے
جو ہر وقت معیبت و ہلاکت کے طالب رہتے تھے۔ مگر ہم نے یہ حق دوستی ادا کیا کہ
اسکے خلاف اظہار کیا۔ جس کا سبب یہ ہے کہ عزالے حسین کا مقصد اس حفظ
و سرور کے حصول کو سمجھ لیا۔ جو دنیوی سے حاصل ہوتا ہے۔ لہذا یقین کر لیا۔ کہ
کثرت بکا ہی مال مجلس ہے۔ اور چونکہ ہمارے نفوس نجاست شرک کے سبب
قلوب مطمئنہ کی کیفیات کا تصور کر ہی نہ سکتے تھے۔ لہذا متاثر ہونا بھی ممکن نہ تھا
پھر گریہ کیسے کر سکتے۔ اسلئے فردی تھا۔ کہ حصول حفظ و سرور اور نفس پرستی کیسے

ان ذوات قدسیہ و زنفوس مطہینہ کے جذبات عالیہ کی مصوری کے بجائے اپنے
 ذلیل و یکجہ جذبات کا مرقع پیش کر کے رونے لانے کے مزے اڑا لیا کریں۔
 اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے دنیا پر بیٹھا ہر کیا کہ وہ حضرات بھی معاذ اللہ ہم جیسے
 دنیا کے کتوں سے مشابہت رکھتے تھے ہم بھی اپنے بھائی کے غم میں مضطرب
 اور بیچین ہو جاتے ہیں حسین بھی بھائی کو نصرت کرتے وقت مضطرب تھے
 روتے پتھر پھینکتے تھے کمر پکڑے پکڑے بین کرتے ہوتے بھائی کے پیچھے پیچھے لائے
 بھائی ہائے بھائی لہتے ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اور اسی رسول تو وقت شہادت میں
 ایسی بیچین ہوئیں کہ سر و پا کا بھی ہوش نہ رہا ننگے سر میدان کر بلا میں فریاد کرتی
 پھرتی تھیں کبھی ہا ہا شیر خدا کو بھائی کی مدد کیلئے پکارتیں۔ کبھی ابن سعد کے
 سامنے دفنانو ہو کر گر گڑا تھیں کہ کسی طرح میرا ماں جا یا ذبح ہونے سے بچ
 جائے۔ کبھی یسوعاں یمن سے استغاثہ کرتیں کہ اے شیعہ دوڑو کسی طرح میرے
 مانجائے کو ذبح نہ ہو بیسے بچالو۔ افسوس ہے کہ ہم نے بغرض حصول خط و سرور
 آل رسول کی تذلیل و توہین میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔
 خیال تو کرو کہ کوئی بھی بہن ایسی ذلیل نہ ہوگی جو اپنے ایک بھائی کے
 کسی مفصلہ عالیہ کیلئے جان دینے پر ایسی بقیار ہو۔ سنا تم نے دوستی کے پردہ میں
 حسین سے دشمنی کر دیا اور حسین مشن کو تباہ و برباد کر دیا۔ اے کسی قاتل نے
 بھی حسین کی با اہل حرم کی عذر ممتی۔ عبور سکون معاش پر مطمئن رہنے سے انکار
 نہیں کیا۔ اور انکے اخلاق عالیہ کو ذلیل و خوار کر کے ذبح نہیں کیا۔ اور تم انکے
 مفصلہ کو کھٹلی چھری سے ذبح کر رہے ہو اے بے شعور دشمن حسین کو ایک قرعہ
 ذبح کیا تم ہر سال ہر روز کھٹلی چھری سے قربانی حسین کو ذبح کر کے حظ نفس اور سرور
 حاصل کرتے ہو خبر بھی ہے کہ تم مزہ اڑانے کیلئے حسین کا خون بہا رہے ہو شیل

مرغیے پہلے مرکز صحیح کی طرف توجہ ہو گئی! اور اس منزل کمال کو پہنچ گئی جس سے نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے! اور اسی پر گر گیا۔ تو غدا اب سے مامون ہو جائیگا۔ اسی لئے حکم ہے کہ رحمت خدا سے کبھی ناامید نہ ہونا چاہئے۔ اور اطمینان کے ماننے والوں کیلئے تو بہت زیادہ سہولت ہے اسلئے کہ انکا مرکز توجہ بالکل صحیح ہے۔ وہی تو رحمت خدا ہیں۔ اگر شعور پیدا ہو جائے تو فوراً محبت سے قلوب منور ہو جائیں۔

پس جس طرح مجالس میں اب تک جاتے تھے جلوسوں میں شریک ہوتے تھے اسی طرح اب بھی شرکت کریں۔ صرف نیت یہ ہو کہ ذکر حسین سے اثر قبول کریں وہ پہلا خیال چھوڑ دیں کہ صرف رونا ہی مال مجلس ہے کسی شخص کو کبھی یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اعمال خیر بجا لاتا ہے۔ لہذا استحقاق نجات ہے اسلئے کہ جب کوئی شخص کوئی نیک کام کریگا۔ تو زمین پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر ہی تو کریگا۔ وہ کس کی ملک ہے۔ اعضا و جوارح سے انجام دیگا۔ وہ کس کی ملک ہیں۔ توجہ قلب سے کریگا۔ وہ کس کا ہے پھر بغیر توفیق الہیہ کوئی عمل خیر سرزد ہو نہیں سکتا۔ اب جب سب کچھ اسکا اور محرک بھی اسی کی توفیق پھر اسکا معاوضہ کیا مانگتا ہے۔ اور جاہل انسان تو ہوا میں ایک سانس لینے کی بھی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ اس کا خیر کے بجالانے میں ملنے سانس قہر لے لے ہیں۔ پہلے انکا معاوضہ تو ادا کر دے۔ اعضا و جوارح کے استعمال کا معاوضہ بعد کو دیکھا جائیگا۔

اب بھی آپ سمجھئے کہ شدید ترین گناہوں میں مبتلا ہوتے ہوئے بھی رحمت خدا سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اور اعلیٰ ترین اعمال حسنہ پر لاتے ہوئے انکے معاوضہ کا اپنے آپکو مستحق نہیں سمجھنا چاہئے۔ ہر دو حالت میں نجات کی امید سبب بخش اسکی رحمت کو سمجھنا چاہئے جس کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ رحمت خدا یعنی آل محمد کو مخلوق بہت پیاری ہے۔ وہ ہر وقت اپنی طرف کھینچنے کا بہانہ ڈھونڈتے

ہتے ہیں۔ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ **وَيُفْضِرْنَ إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ عَن زُنْبِهِمْ** (یعنی دماپنی طرف بلا رہا ہے۔
ہر اس شخص کو جو بھی رغبت کرے)۔

حسین مجتہد رحمت ہے حسین مکمل رحمت ہے حسین کے دسے کوئی محروم نہیں جاسکتا
اور ہاں انسان تو مایوس کیوں ہوتا ہے تو حسین سے لونگا کے تو دیکھو۔ تو حسین سے خدا مانگ
تو سہی تھو بارگاہِ حسینی میں فریاد بلند تو کر کہ حیدر تجھے خواہشات و جذبات کا لشکر گھیرے ہوئے
ہے تو یہی بتی مدد کر دیکھ تو سہی پھر حسین دشگیری کرتا ہے یا نہیں حسین شرک سے نکالتا ہے
یا نہیں حسین تجھے اللہ سے ملا دیتا ہے یا نہیں جب کوئی مانگے ہی نہیں۔ تو طے کیسے آج تک
تو کوئی سائل اس دروازہ سے محروم پھر نہیں۔ پھر تیرا دوسرے لوگ کیسے لگن ہو سکتا ہے؟
کیوں بجاتی کچھ شور مٹا ہوا کہ کفر میں ہم مبتلا۔ شرک میں ہم غرق۔ نفاق میں ہم
مستغرق۔ اہلبیت سے تبا کرتے ہوئے اچھے دشمنوں سے تو لا کر رہے ہیں۔ اور خط نفس
حاصل کرنے کیلئے اختیار پر لعنت لگے کہ جس باطنی اور بڑا رہے ہیں اور یہ سب کچھ بھرتے
ہوئے لاشعوری ہیں اپنے کو محب صادق۔ مومن کامل اور جنت کا مالک سمجھے ہوئے ہیں؟
ابھی دقت ہے اب بھی ہوش میں تبا نہیں۔ اور موت سے پہلے حسین سے لونگا نہیں
اور اس سے تڑپ تڑپ کر التجا کریں۔ گڑ گڑا کر دعا کریں۔ کہ تمکو اس مصیبت و بلا سے
اور ایسے شدید دشمنی کے نرفہ سے نکال دے۔ وہ مشکلا کشا کا فرزند اور خود مشکلا کشائے زمانہ
ہے ضرور ہماری مدد کرے گی۔ اور تمکو نفس اور شیطان کی غلامی سے نکال کر اپنا غلام بنایا گیا
اور اپنی حفظ و امان میں لے لیا گیا۔ اپنے داس میں چھپا لیا گیا۔

اور اگر کچھ نہ کیا۔ تو سمجھ رکھیں کہ عذابِ خدا سروس پرا گیا ہے۔ فسادِ عظیم دنیا میں برپا
ہو رہا ہے۔ ہلاکت و تباہی نزدیک ہے اگر اس بلا سے جان بھی بچ گئی تو حسین کے خون
کا وارث جلد آئیوا لا ہے۔ وہ خود ہی محاسب کریگا کیوں رہے بے ایمان و اہلکے دشمن و اہلین
کو ضائع کر نیوا جو حسین کی قربانی کے ذبح کے مرے مارا نیوا لو۔ یہ تم نے ہم پر کیسے کیسے مظالم

کئے جو دشمنوں کے ہتھوڑے بھی ہموں نہ تھے۔ اے خداوند اللہ خدا ہموں اس دن سے بچائے اور
 اس سے قبل ہی نورِ محبت آلِ رسولِ مہمل کر سکی تو فوقِ عطا فرمائے۔ ۱۰ مین شہداء مین
 عزادار۔ اچھا جذب اب یہ بتلائیے کہ مجاہد میں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے
 غار۔ مجاہد مرام تعزیر میری مثلاً تعزیر کا جلوس بکھڑا جلوس۔ ذوالجناح
 کا جلوس۔ غریب کہتے تھے مامی جلوس شارع نام پر نکالے جاتے ہیں۔ انکے رداسم میں کوئی
 تبدیلی نہیں کیجا سکتی۔ سوائے اسکے کہ اپنے کو اتمویر دروینا کر پیش کریں
 مگر مجاہد جو گھروں کے اندر ہوتی ہیں۔ انہیں یہ بات ابرہہ دینی چاہئے کہ لوگوں کو
 توجہ کا سبق دیا جائے۔ کالہ کی طرف بلایا رہے۔ لوگوں کو یہ بتلایا جائے کہ حسینؑ جو اپنے
 ننھے ننھے بچے قربان کئے ہیں۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ ہمارے نفسوئی اصلاح ہو۔ خواہشات
 و جذبات مغلوب ہو جاویں۔ حظ نفس منقطع ہو جائے۔ تاکہ کالہ عملی طور پر کہہ سکیں۔
 لوگوں کو یہ سنانا اور بتلانا چاہئے۔ کہ دنیا اور زینت دنیا کی محبت سے چھوڑانے
 کیلئے مال و دولت نام و نمود و عزت و شہرت کی خواہشات کی محبت سے بچانے کیلئے عورتوں
 کی اور اولاد کی خواہش کی محبت شہوانی سے نجات دلانے کیلئے حسینؑ نے اپنا گھر بائیس
 جوان بچے یار و انصار حتیٰ کہ شیر خوار بچے تک قربان کر دیئے۔ اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ اپنی
 بہنوں اور بیٹیوں کے سر کی چادریں۔ انکا پردہ سب کچھ قربان کر دیا۔ اپنی عورتوں اور
 بچوں کا قید ہو کر بازار و نمیں شہر میر کیا جانا سر بر ہنہ و سن بستہ ترک و ولیم کی بند یونکی
 طرح مدبدوں میں پیش کیا جانا۔ صرف گوارا ہی ہمیں بلکہ اختیار کیا۔ یہ ساری قربانیاں
 حسینؑ مظلوم نے ہماری اصلاح نفس کیلئے پیش کیں ہیں تاکہ ہمارے نفوس نجاست
 شرک سے نکھر کر نور ایمان حاصل کرنے کی قابل ہو جائیں۔

خیال نہ کر دیکھا ایسے بڑے محسن کا ہمیر اتنا بھی حق نہیں کہ ہم اپنے شہوات
 و جذبات کی قربانی بلا لگاؤ حسینی میں پیش کر دیں مشکل تو یہ ہے کہ حسینؑ کا حق پہچانیں

تو انکر نکل خواہش بھی پیدا ہو۔ اور جب اسکا شعور ہی نہ ہو تو خواہش کیوں ہو۔ یہی سبب
 ہے کہ جو لوگ بغیر اس کے کہ انہوں نے حسین کا حق پہچانا ہو زیارات کو جاتے ہیں۔ وہ وہاں
 سے کچھ بھی لیکر نہیں لاتے۔ اجر و ثواب نہیں پاتے۔ وہ بیچارے حسین کی محبت نفسانی
 کے جوش میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں جسوبات سفر برداشت کرتے ہیں۔ اپنی گاڑھی
 کماٹی سے کثیر خرچ کرتے ہیں۔ قبر حسین کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ مگر نتیجہ
 میں یہ سزا پاتے ہیں کہ ایمان قبر حسین سے لپٹ کر رہ جاتا ہے۔ وہاں سے اور زیادہ
 شقی القلب بن کر لاتے ہیں۔ خواہشات و جذبات کی شدت اور جوش بڑھا کھاتے ہیں
 یہ سب کچھ اس جرم کی سزا ہوتی ہے کہ معصوم نے تو فرمایا تھا *صَنِّ زَارِقًا قَبْرِ الْحُسَيْنِ*
عَلَيْهَا مَحْقَقَةٌ وَحِبَّتٌ لَهُ الْجَنَّةُ (جو شخص قبر حسین کی زیارت کرے حسین کا حق پہچانے
 ہوئے اس پر جنت واجب ہوگئی) پھر جو شخص معصوم کے قول کو خدا کا قول سمجھتے
 ہوئے حق حسین کی معرفت حاصل نہ کرے۔ اور اتنی بڑی نافرمانی۔ اور ایسی گستاخی کرے
 کہ حسین جیسی مقدس ہستی کی بارگاہ میں جو دربار قدس ہے۔ جس و نجاست شرک
 لیکر چلائے اور اس دبار کی طہارت کا مطلق خیال نہ کرے۔ اس پر جنت کی بجائے جہنم
 کیوں نہ واجب ہو جائے جسکی علامت و نشانی ساری دنیا دیکھ لیتی ہے۔ کہ وہاں سے
 لوٹ کر اکثر زائرین کے نفوس غیبت تر ہو جاتے ہیں۔ *العیاذ باللہ*۔ اگر اب بھی
 حسین کا حق پہچان لیں۔ تو یقیناً پھر جنت واجب ہو جائے۔ اور ایسی زیارت لا شعور
 کا ایسا ہی ثواب مل جائے۔ جیسا کہ حق پہچان کر زیارت کرنے سے ملتا ہے۔
 مقاصد غرا سمجھ لینے کے بعد ہر شخص پر لازم ہو جائیگا کہ حسین کی ساری مجلسوں
 ایک جیسا سمجھے یہ نہیں کہ ایک مجلس کو دوسری پر بحسب تعلقات دنیاوی یا خوش گوار
 و خوش بیان نا کر دل کی بنا پر ترجیح دے بلکہ مفصل بینی سبب ترجیح ہو جب مجلس میں
 جا کر بیٹھے۔ تو خواہ ذا کری شروع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ مودب بیٹھے۔ خاموش بیٹھے

جنت و لا تا مل گفتگو میں مشغول نہ ہو۔ چہرہ پر حزن و ملال کے آثار ادا و تاملاری گہرے ہمارے
 نفس پر بھی آثار غم وارد ہو جائیں جو دیکھنے والا اسکو دیکھیں گا۔ اسکے نفس پر اسکا اثر
 ہو جائیگا۔ رشتہ کو مقصد نہ سمجھے۔ بلکہ بے اختیار ہی سے جب رقت طاری ہو۔ تب
 روتے فتنہ و شاعری، باگ و رانگی، نکات افرینی کی طرف توجہ نہ کرے۔ بلکہ ان چیزوں سے
 اغیار کو مغلوط ہو لینے سے۔ جب فضائل اہلبیت سے خود ایہ خیال نفس پر وارد
 کرے۔ اور اس سے یہ کہے کہ اے نفس خبیث تیری اصلاح و درستی کیلئے خدا نے
 اپنی رحمت کو مجھم بنا کر بھیجا۔ ایسے جلیل القدر مولے اور عظیم الشان آقا کو تیری مستگیری
 کیلئے بھیجا۔ مگر تو ایسا خبیث ہے۔ کہ ان کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھاتا۔ کبھی مستعد
 نہیں کرتا۔ کہ اے مولے! میل ہاتھ پکڑ کر اپنے خاستہ پر چلا آئے۔ نفس خبیث خدا نے
 اپنی صفات کے منظر کو تیری رہنمائی کیلئے معبود کیا۔ اور تو اسکے پیچھے نہیں چلتا۔ کبھی
 اس امر کا خواستگار نہیں ہوتا۔ کہ کسی طرح اسکا دامن ہاتھ آجائے۔ تاکہ بیڑا پار ہو
 اور جب مصائب سے تو عوام الناس کے جذبات کی تصویریں جب موٹے یا موٹے کے انصاف کے
 جذبات کی مرقع کشی کیا دے۔ تو اسکو جھوٹ سمجھے اور اس کی طرف توجہ نہ کرے اور
 عوام جہال کو اس پر رونے دے۔ زبان ہرگز نہ کھولے۔ اور جب اپنے آقاؤں کے
 جذبات عالیہ کا مرقع پیش کیا جاوے۔ تو خوب غور سے سنے اور آقا کی طرف توجہ کے
 عرض کرے کہ اے جلیل القدر آقا! اس خبیث النفس کو بھی اپنی
 غلامی میں لیے اس کے نفس پر بھی اپنے دامن کا سایہ ڈال دے۔ خدا کی واسطے اپنے کمالات
 میں سے اس ذلیل غلام کو بھی حصہ عطا فرما دے۔ اور آقا کی طرف توجہ کر کے عرض کرے۔
 اے رسول کے پیارے علی کی آنکھوں کے تارے۔ فاطمہ کے راج دلا سے تو ہمارے تزکیہ
 کیلئے ایسی صیتیں اٹھائے اور انیسویں کہ ہم اپنے نفس کو پاک نہ کریں۔ مولا کو میری خاطر غمی
 ہوا۔ میری اصلاح کے لئے سرکٹایا۔ میری اصلاح کے لئے گھر بار لٹایا۔ میرے پیارے مولا

بھ سے تجھے کیسی محبت تھی •

اپنی مجلسوں میں ہر قوم و مذہب کے آدمیوں کو دعوت دیکر بلائیں، عزت و احترام سے بٹھائیں۔ اگر وہ کوئی زیادتی کریں یا مفسدکے آڑ میں اُن سے درگزر کریں۔ نہایت اخلاق سے پیش آئیں، انکو حسین کامیاب سمجھیں، کسی کے مذہبی پیشوا کو سازنا یا کنایتاً بھی برا نہ کہیں، بلکہ جب ضرورتاً انکے نام لیں، تو نہایت عزت و احترام سے۔ کسی کے مذہب پر حملہ نہ کریں۔ انکیار کے سامنے نام نہاد طبیعت جو کفر و شرک و فساد سے پیش نہ کریں، بلکہ توحیدانہ تزکیہ نفس، نفس کشی کی طرف دعوت دیں اور حسین اور انکے ساتھیوں کے اخلاق عالیہ و اداری جو درگزر فیضانِ رحمت و صبر و سکونِ اطمینانِ قلب وغیرہ کی مثالیں فرزندِ رسول کہہ کر پیش کی جائیں، پھر دیکھیں کہ تھوڑے عرصہ میں ہی دنیا میں انقلابِ عظیم برپا ہوتا ہے یا نہیں۔ اور وحایت کا آفتاب سوائے غم پر چمک کر ادیت کے ثبوت کو جلا کر خاک کر دیتا ہے یا نہیں لا اللہ

کا جھنڈا دنیا پر لہراتا ہے یا نہیں •

اب بھی آپ کی سمجھ میں آیا۔ کہ اس مجلس کی کیا قدر و منزلت ہے۔ یہ کیا عظیم شان و بار ہے جس میں نچتر پاک تشریف لاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اسکو جانتے ہوئے بھی اہل مجلس کی کیا حالت ہوتی ہے کیا کسی قلب پر بھی ان بیل القدر ہستیوں کی موجودگی کا اثر ہوتا ہے نہیں ہرگز نہیں، اسکو تو فقط رونے کا حظ حاصل کرنے کیلئے ملتے ہیں۔ اگر یہ سمجھتے۔ کہ یہ شہنشاہِ کونین کا دربار ہے۔ تو اسکا احترام بھی ملحوظ خاطر ہوتا، تنظیم ہوتی۔ بھیڑ و بکے کی طرح غیر منظم طریقہ پر نہ بیٹھتے چاہئے تو یہ کہ مجلس میں نہایت اعلیٰ تنظیم ہو۔ اختتام مجلس پر بیڑوں کی طرح منتشر نہ ہوں بلکہ تنظیم سے اٹھ کر جائیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ چوپاؤں کا گھرنہ تھا۔ یا کلوٹ کماٹا کل کا انعام کا مجمع نہ تھا۔ بلکہ پروانِ اہلبیت کی مجلس تھی جیسا کہ

سہ پاؤں کے طرح کھانے پینے والے •

خود وہ حضرات فرما گئے ہیں کہ **كُونُوا النَّاسَ زِينَةً وَلَا تَكُونُوا النَّاسَ شِينَةً** (تم ہمارے لئے سبب زینت ہو اور ہمارے نام پوچھنے نہ ہو جاؤ)۔ دیکھو اب بھی سمجھ اپنے نفس کی اصلاح نہ کر کے ہم اہلبیت پر دھبہ لگا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے نفسوں کی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے! اور حضرت حسینؑ شامل حال ہو کہیں ایسا نہ ہو۔ جیسا کہ سنت اللہ جاری ہے کہ جب کوئی منعم کسی کو اپنی اعلیٰ نعمت اس لئے دیتا ہے کہ وہ اسکو استعمال کر کے فائدہ اٹھائے اور لینے والا صحیح استعمال کرنے کی بجائے اسکو خراب کرتا ہے۔ اپنے نفس کو نقصان پہنچاتا ہے۔ تو نعمت کا عطا کرنے والا اس کم عقل ذات سے شناس سے اپنی نعمت کو سلب فرمایگا جیسا کہ اتنے سے عالم سے سنت اللہ جاری رہی ہے +

سمجھو کہ یہ غور کیا کہ سنت اللہ یہی ہے جب اللہ کی نعمت کی قدر نہیں کی جاتی تو وہ سلب ہو جاتی ہے۔ آل رسولؐ سب سے بڑی نعمت خدا ہے۔ یہ ہم کو اس نے دی گئی ہے کہ اسکے ذریعہ پہلے ہم اپنے نفوس کو نجاست شرک سے پاک کریں اور پھر دیکھو! اہل عالم کی طہارت کریں۔ اور بجائے اس کے ہم اسکو خراب کرنے لگیں اور ذریعہ حصول حفظ نفس بنالیں۔ تو کیا یہ نعمت ہم سے سلب نہ کر لی جائیگی۔ یہی سبب ہے کہ ایران میں پہلے تو جناب رب العزت نے لاشعور شیعوں سے اپنی نعمت سلب کرنے کے لئے محمد علی باباؑ و بہاؤ اللہؑ کو کھڑا کر دیا جس سے ہمارا آبادی گمراہ ہو گئی۔ اور جب اس پر بھی باقیوں کو شعور نہ ہوا۔ اور توبہ نہ کی۔ تو اس سے رضا شاہ پہلوی کو ان پر مسلط کر دیا۔ تاکہ یہ نعمت ان سے سلب کر لی جائے۔

اب بھی ہوش میں آؤ۔ اور توبہ کر لو حسینؑ سے لو لگاؤ حسینؑ کی محبت کو توبہ کر جس کا ذریعہ بناؤ اور شرک و کفر و نفاق سے طہارت کا آل۔ ورنہ فردری ہے کہ جناب رب العزت اپنی سنت کے مطابق تم پر بھی ایسے حالات وارد کرنے

جو اس نعمت عظمیٰ کے سلب کا باعث ہو جائیں پھر تم اپنے راہِ رسم مذہبی ادا کرنا تو کجا
 حسین کا نام بھی زبانِ بردہ لاسکو۔ جب تم اس کی نعمت کی قدر کرنے کی
 بجائے اس کو برباد کر رہے ہو۔ تو کیا سبب ہے۔ وہ تم سے چھین نہ لی جائے
 اب مجھ کو جو کچھ کہنا تھا۔ میں کہہ چکا۔ اور آپ سب کچھ سن چکے و ما علینا الا البلاغ۔
 آؤ اب اپنی حالت اور پر خویئے آنسو بہا لیں۔ اور نصیحتاً و زاری بہ ہزار مالہ و
 بیقراری بارگاہِ حسینی میں اس طرح فریاد و استغاثہ بلند کریں۔

مولیٰ حسین، اے مظلوم حسین، اے غریب الدیار حسین، اے بے یار و انصار حسین،
 اے فنا فی اللہ حسین، اے باقی باللہ حسین۔ اے مع اللہ حسین، اے اذن اللہ حسین، اے ید
 حسین، اے جنب اللہ حسین، اے نفس اللہ حسین، اے وجہ اللہ حسین، اے خلیفۃ
 اللہ حسین، اے حجت اللہ حسین۔ اے دلی امر اللہ حسین، اے رحمت اللہ حسین۔
 ہم نہایت شرمسار ہیں۔ ہم تیرے بڑے گنہگار ہیں۔ مولے تیری قربانی کے ذریعہ سے جو
 خط و سرود ہم نے لاشعوری میں حاصل کر کے تیرے مقصدِ قربانیکو نقصان پہنچایا۔ اسکو
 معاف کر دے، مولے حسین۔ اے اللہ کے پیارے حسین، اے رسول کے پیارے حسین
 اے علی کی آنکھوں کے تلے حسین، بی بی فاطمہ کے راجِ دلائے حسین۔ اے مولیٰ وافتا
 ہمارے حسین۔ افسوس کہ ہمیں پتہ نہ تھا۔ ہم لاشعوری میں تجھے ستاتے رہے، تیرے دل
 کے زخم بڑھاتے رہے۔ تیرے واقعاتِ کلیجہ کو براتے رہے، تیری مفروضہ محبت کے جوش
 میں خوب خمرِ کفر کے ذاکر و داعط بلاتے رہے، شعرو شاعری بمضمون نگار می کا لطف
 اٹھاتے رہے، تیری مجلسوں کو ذہنی عیاش خانہ بناتے رہے، تیرے فرضی غم سے مزے
 اٹاتے رہے، تیری عزائے لطف اٹھاتے رہے۔ اور نجاستِ شرک بڑھاتے رہے۔
 افسوس صد ہزار افسوس مولیٰ ہمیں شعور نہ تھا۔ یہ تو آج معلوم ہو رہا ہے۔ آج شرم سے
 گردن جھکاتے تیرے دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔ مولے پیارے مولیٰ، تیرے باعث ایجاد

عالم نانا کی قسم، تیرے حاکم یوم الدین بابا کی قسم، تیری سیدہ عالم مائی کی قسم
 تیرے سردار حجت بھائی کی قسم، تیرے سر سیدہ کی قسم۔ تیرے قلب مجروح کی قسم
 تیرے دافدار کلیجہ کی قسم، تیرے پیاس سے سوکھے ہونٹوں کی قسم، ہم سے توجو کچھ ہوا
 لاشعوری میں ہوا کچھ اپنے پیارے اللہ کا واسطہ ہمیں معاف کرے، ہمارے گناہ
 بخش دے، مولے کچھ بھی تو اپنی ماں کے پستان میں سر مار دیا کرتا ہے، وہ تو غصہ نہیں
 ہوتی، کچھ سے رنجیدہ نہیں ہوتی پھر بھی اسکو پیار کیا کرتی ہے۔ مولے پہلے مولی
 تو ہم سے ناراض تو نہیں ہو گیا۔ اور تو کیوں ناراض ہونے لگا، تو تو ہم پر ماں باپ
 سے کہیں زیادہ مہربان ہے، مولی معاف کرے، کیوں پیارے مولے تو نے معاف
 کر دیا۔ ہاں اور سوائے معاف کرنے کے تو کرے گا ہی کیا۔ تو تو اپنے قاتلوں پر بھی مہربان
 رہا۔ جنہوں نے دانستہ ظلم کئے۔ اور ہم نے توجو کچھ کیا لاشعوری میں کیا۔ نادانی میں کیا پھر ہمکو
 تو کیسے معاف نہ کرے گا تو تو رحمت کا دروازہ ہے۔ لطف و کرم کا دلدادہ ہے۔ بزل و احسان
 تیری فطرت ہے۔ تو بحسب اللہ کی رحمت ہے۔ آج تک کوئی سائل تیرے در سے محروم نہیں
 گیا۔ اے رحمت للعالمین کے فرزند پھر ہمیں تو کیسے باپوس ٹوٹا سکتا ہے، ہمارے حال پر رحم
 کر۔ ہماری خطا و غلطی دگر کر۔ ہمارے گناہ بخش دے، ہماری فریاد سن لے

مولے ہم تو بالکل لاشعوری میں تھے کچھ بھی اپنی خبر نہ تھی خواب غفلت میں
 بیخبر سوتے جا رہے تھے۔ اب جاگے تو محسوس ہوا کہ ہم کیسی بلاؤں میں گھرے
 ہوئے ہیں۔ ہمارے دونوں ہاتھ پس گردن منہ سے ہوئے ہیں۔ دولٹ کی تھی
 سے ایک لٹر رسم و رواج دنیا بد سری رسم و رواج مذہبی کی ہے۔ توڑنے کیلئے جتنا
 زور کرتے ہیں، کلاشیاں اتنی ہی زخمی ہوتی ہیں۔ گردن میں عود تو کی خواہش کی
 محبت کا خاردار طوق ہے۔ آنکھوں پر میرے مذہب کے جذبہ کی ٹپی بندھی گئی
 ہے پاؤں میں افلاک کی خواہش کی محبت کی بیڑیاں پڑی ہیں۔ کمر میں بڑی

مولیٰ کوئی بل کی رسی ہے، ماں باپ بہن بھائی عزیز اقارب ہر ایک کی بہت سی ایک ایک لٹہ اور خوشی اراضی جائداد و باغات میں سے ہر ایک کی خواہش کی محبت کے ریشے ہیں پیچھے سے نفس کی خواہش بقا کا ہیب دیو گردن میں نیزہ کی دودھاری انی پھور رہے جس کی ایک دھار لذتِ خدا اور عمدہ پوشاک کی خواہش اور دوسری اسبابِ رائق کی خواہش۔ ماں دنیا کی محبت کل گزیدہ مائے زہ کو زخمی کئے دے رہا ہے +

نام و نمود عزت و شہرت اور دنیا میں اچھا سمجھا جانے کی خواہش کے کوٹے پشت پر مارتا اور حظ و سرور عیش و آرام کی خواہش کے وترے ٹانگوں پر لگاتا ہوا خوفِ غیر اللہ کی بھیانک اور درشت آواز سے ڈراتا ہوا ملکِ ابدی کی طرف ہٹکاتے لئے جب رہا ہے +

اے فریاد رس بکیاں میری فریاد سن۔ ان بلاؤں سے نجات دے میرے مولیٰ تو خدا کا ہاتھ ہے، میرے ہاتھوں کی رسی کو کھول دے، رسم و رواج کے پھنسے سے نکال دے تاکہ دنیا کے کام عقل کی روشنی میں کروں اور مذہبی رو اس میں شمعِ صحیح سے بطورِ فریضہ ادا کروں۔ مولے حسین تو مشکل کشا کا فرزند خود مشکلات سے خلق ہے عورتوں کی خواہش کی محبت کے طوق کو میری گردن سے نکال دے۔ اے مولے تو جبل اللہ ہے۔ میری کمر سے رسی کھول دے۔ تاکہ ماں باپ بہن بھائی عزیز و اقارب سے تیرے بندے سمجھ کر محبت کروں۔ انکی پوری پوری خدمت کروں۔ بویشتی اراضی جائداد و باغات کی محبت کو زائل کر دے۔ اور جو کچھ ان میں سے تو اپنی مرضی سے عطا کرے۔ انکو تیرا ہی سمجھتا رہوں۔ انکی تیرا سمجھ کے حفاظت کروں، تیرے سمجھتے ہوئے ان میں ترقی کی کوشش نہ کروں میرے مولے تو اللہ کی قوت ہے۔ تو علم ہدایت ہے۔ اس دودھ سے نیزہ کو جو میری گردن زخمی کئے دیتا ہے بھڑکے ٹکڑے کر کے مزید کھانسی خواہش نہ رہے۔ کھاؤں تو زندہ رہنے کیلئے کھاؤں۔ تیرا حکم سمجھ کر بچاؤں۔

ساوی اور زود مضیم نذاکھاؤں عمدہ پوشاک کی خواہش کو مٹا دے، پہنوں تو تن ڈھا
کو پہنوں۔ زینت کی خواہش سے نہ پہنوں۔ اسباب آرائش کی خواہش کو فنا کر
دے اور جو کچھ اپنی مرضی سے مجھے عطا کرے، تو اس کی حفاظت و نگہداشت
کی طاقت بھی ساتھ عطا کرنا نکو تیرا سمجھ کر رکھوں۔ انکی حفاظت میں کوتاہی نہ کرو
اے میرے مولے تو اللہ کی قدرت ہے تو اس کی نعمت ہے۔ حالی دنیا کی محبت گئے گزرو
جو میرے سر کے ٹکڑے کئے دیتا ہے۔ پرزہ پرزہ کٹے جو کچھ کماؤں حلال سے کماؤ
تیرے بندوں کی خدمت کیلئے کماؤں جو کچھ تو مجھے مال عطا فرمائے۔ اسکو اپنا نہ
سمجھوں، اسکی تیرا سمجھ کے حفاظت کروں۔ حظ نفس کیلئے اسراف یا تصلف نہ
کرسکوں۔ تیری مرضی کے مطابق تیرے اہل پر صرف کروں، صاحبان حاجت کو پہنچا
رہو اپنے تنیل میں اور غراچی سمجھوں تیرے خون کو فروخت کر کے تیری قربانی کو
بیچ کر اپنے پیٹ میں آگش جہنم نہ بھروں۔ اے میرے مولے تو خدا کی عظمت ہے
تو خدا کا جلال ہے۔ یہ کوئی جو میری پیٹھ پر پڑ رہے ہیں۔ انکو خطر جلال سے جلا کر فاسق
کر دے۔ نام و نمود کی خواہش کو گنہامی کے خواہش سے دنیا دی عزت و شہرت کی
خواہش کو دوبارہ زوال جلال میں حصول عزت کی خواہش سے بلے۔ اچھا سمجھا جانے
کی خواہش کو اچھا بننے اور اچھا رہنے کی خواہش سے بدل دے۔ اے میرے مولے تو
عبد کامل ہے تو صبر مجسم ہے۔ حظ و سرور و عیش و آرام کی خواہش کو مٹا کر محنت و
مشقت کا جذبہ پیدا کر دے۔ میرے دل کو اتنی طاقت عطا فرما کہ محنت و مصیبت
کو تکلیف اور کلفت کو خدا کے رحمت جانوں اور عیش و آرام کو خدا کی لعنت سمجھوں
اے میرے آقا تو اللہ کی نعمت ہے خوف غیر اللہ کو خشیت اللہ سے بدل دے۔ میرے
مولیٰ تو عین اللہ ہے۔ میرے آنکھوں سے ”میرے مذہب“ کی محبت کی ٹیجی جس پر
تعصب کا گاڑھا ضماد چڑھا ہوا ہے کھول دے تاکہ تیرے مذہب کو دیکھ سکوں

اور تیرے اُس رستہ پر چل سکوں۔ جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی عمارت کیلئے
 بہت زیادہ ہی میرا ہاتھ پیرا کر اس پر چلا اسے دونوں جہان کے مالک حسین تو
 سیف اللہ ہے۔ میرے نفس کی خواہش بقا کے دیو کو مگر مٹے کر کے بقا کے حقیقی
 کی خواہش عطا کرنے۔ اور میرے نفس کو اسکا شعور عطا فرماوے۔ کہ اس کی خواہش بقا
 تجھ میں فنا ہونے ہی سے پوری ہو سکتی ہے۔ تاکہ اسکو تجھ میں فنا ہونے کی ترپ پیدا
 ہو جائے۔ اور قربان ہونیکو ہر وقت تیار رہے، اے بے مددگاروں کے مددگار۔ اے بے
 سہاروں کے سہارے، اے ناامیدوں کی امید گاہ، اے کمزوروں کے پشت پناہ
 میری مدد کر ان بلاؤں سے نجات دے۔

اے میرے مولے کا اللہ کا واسطہ میرے نفس کو شرک خفی کی نجاست سے پاک
 کر دے، ذکر اللہ کا واسطہ میرے دل میں اپنی یاد بھر دے، کسی وقت بھی اٹھتے بیٹھتے
 چلتے پھرتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے تجھے نہ بھولوں، نور اللہ کا واسطہ میرے دلو
 نور ایمان سے منور کر دے۔ تاکہ اس کی روشنی میں علم ماکان و مایکون جو کتاب
 فطرت میں لکھا ہوا ہے۔ اسکو پڑھ سکوں اور نیری معرفت حاصل کر سکوں۔ میرے
 مولے گلوائے علی اصغر کا صدقہ تجھے اتنا شعور تو جلد عطا کر دے۔ کہ تیری بتلائی ہوئی توحید
 کو سمجھ سکوں۔ اور لوگوں کی گھڑی ہوئی دھاندلیت سے منہ پھیر لوں۔ تیرے اور تیرے
 ابا اور اولاد کے قلام کو قرآن اور فطرت سے مطابق کر سکوں۔ تاکہ یہ سمجھنے کا اہل ہو
 جاؤں۔ کہ یہ معصوم کا قول ہے یا نہیں۔ اور اسکا مفہوم اُصنی کیا ہے۔ میرے مولے تو
 رب فطرت ہے۔ اس کتاب فطرت کو جو میرے نفس میں ہے۔ پڑھنے اور سمجھنے
 کی اہلیت عطا فرما کر علوم کبھی سے بے نیاز ہو جاؤں۔ اور علم الرجال سے مستغنی
 اے۔ بے مولے اپنی محبت کے ذریعے ایسا شعور پیدا کر دے۔ کہ اپنے نفس کی معرفت
 حاصل کر سکوں۔ تاکہ علم کائنات حاصل ہو جائے۔ وہ مشرکوں اور بت پرستوں

سے علومِ مادی کی جیک نہ مانگنی پڑے ♦

میرے مولے تو ایسی ہے ہماری ہدایت کے لئے تو نے سب کچھ قربان کر دیا۔ میں تیرے مقصد کی بجیک تجھ سے مانگتا ہوں۔ اگر تو میرے نفس میں اتنی اہلیت نہیں دیکھتا کہ میں جلد نورِ حقیقت کا بوجھ اٹھا سکوں۔ اور تیری عطا فرمانے کی مرضی ہو۔ تو علی اکبر کے سیفِ نورانی کا واسطہ، عباس کے لئے ہوئے بازو و ناکا واسطہ ہم لوگوں کی ہدایت کیلئے کسی صاحبِ معرفت عالم کا دروازہ کھلوائے۔ اسکو ہم تک یا ہمکو اس تک پہنچا دے، ایسا عالم جو تیرا عبد ہو۔ تیری معرفت حاصل ہو۔ تیری بخت کا نور اس کے دل میں جگمگا رہا ہو۔ اور اگر تو ہمیں اس قابل بھی نہ سمجھے تو کسی ایسے عالم ہی کو بھیج دے۔ جسے تو نے اتنا شعور عطا کر دیا ہو جو ایت اور حدیث کے صحیح مفہوم کو سمجھتا ہو۔ اسکا دروازہ کھلوائے تاکہ ہم کو آیات و احادیث کا صحیح مفہوم بتا سکے۔ اور اسوقت تک جو ہم کو ہر حدیث ہر ایت کا اُلٹا مطلب سمجھا کر گمراہی کے گڑھے میں گرا دیا گیا ہے بلا شعور کی دلدل میں پھنسا دیا گیا ہے اس سے نکل سکیں ♦

اے مولے! مہربان آقا تجھے بے پردگی زینب کا واسطہ۔ ام کلثوم کے سر پر ہنہ کا واسطہ، اسیرانِ اہلبیت کے بازوؤں کا واسطہ ہماری عورتوں اور لڑکیوں کی طرف سے بھی ہماری اس دعا کو قبول فرمائے۔ تجھ پر خدا و ملائکہ کی۔ انبیاء اور رسولوں کی اور جملہ مومنین اور مومنات کی طرف سے صلوات اور سلام ہو آمین ثم آمین۔ واللہ رب العالمین وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ ♦

تَمَّتْ